لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

انسانیت کی نجات کا واحد راستہ

سِیرۃُ النَّبی ﷺ

سیرت کے چند اہم پہلوؤں پر ایک نظر

تیسر علی

SHUBBAN EDUCATIONAL FORUM
شبان ایجوکیشنل فورم

شبان ایجوکیشنل فورم
0336-6467779 , 0334-9363518

اس کتابچہ کی تیاری میں

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ؒ کی کتاب

''خطباتِ مدراس''

سے استفادہ کیا گیا۔

انتساب

عارفِ آستاں جن کا ہے مقامِ محمود

کاش یہ ہدیہ اخلاص وہاں تک پہنچے

فہرست

مضمون	صفحہ
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کیوں ضروری؟	1
واحد راستہ	3
تاثیر وانقلاب	5
ڈاکٹر عبدالرحمٰن السمیط رحمہ اللہ	6
اہم نکتہ	7
سسٹر امینہ (جینس ہف)	8
محمد محب اللہ (سابقہ سوامی آنندہ)	16
کامیاب کون؟	20
پھر کامیاب کون ہے؟	21
اصل کامیابی	22
حضرت موسیٰ علیہ السلام	23
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	24
انبیاء سابقہ علیہم السلام پر ایمان	25

25	سیرت مبارکہ کا اجمالی خاکہ
26	سیرت کے پہلو
26	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل ہونا
27	کاملیت
27	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم
28	مقصد کی لگن
28	قول و فعل میں ہم آہنگی
29	دردمندی
29	کمیونیکیشنل سکلز
30	مربیانہ انداز
30	معیشت
32	گھریلو زندگی
34	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جامع ہونا
35	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی اور عالمگیر ہونا
37	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی ہونا:
38	پیغام محمدی
39	جدوجہد/مسلسل کوشش

طریقوں کی درستگی	39
عمل نہ کہ ترک عمل	40
ہماری ذمہ داری	40
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ	41
عمل کرنا:	43
دوسروں تک پہنچا	44
دفاع کرنا	45

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کیوں ضروری؟

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں انسان کیا سے کیا بن گیا اور بنتا جارہا ہے شاید اس کا اندازہ خود حضرت انسان کو بھی نہیں ۔ انسان کی ترقی کا ایک طرف تو یہ عالم ہے کہ جو انسانی عقل میں نہ سما سکے وہ ٹیکنالوجی بنالی ہے اور مزید پر کام جاری وساری ہے۔ انسان نے جتنی ترقی کرلی ہے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام انسانیت خوشحال ہوجاتی ، دنیا میں صرف امن ہی امن ہوتا، ہرکوئی آزاد ہوتا، کم ازکم دنیاوی لحاظ سے بے فکر ہوجاتا۔ جب کہ دوسری طرف اس ترقی یافتہ انسان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس نے دنیا کو چلانے کے لیے فول پروف نظام ہائے زندگی بنالیے ہیں جیسے لبرل ازم کے تحت اب دنیا کے تمام انسان برابری اور حقیقی آزادی کو انجوائے کرسکیں گے، جمہوریت کے تحت اب اقتدار ہمیشہ عوام کے ہاتھوں میں رہے گا، سیکولرازم کا نعرہ ہے کہ اس کے سائے میں رہنے والے ہر مذہب کے لوگ اپنی مذہبی اور شخصی آزادی سے لطف اندوز ہو پائیں گے۔ یہ ماڈرن نظریات کتنے ہی سبز باغ دکھاتے رہے لیکن اس کے برعکس سترھویں صدی سے لے کر آج تک ان تمام نظریات نے انسان کو تدریجاً مکمل تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے نیز اس عرصہ کے دوران یہ ماڈرن نظریات سوائے اسلام کے دنیا کے تمام مذاہب کو اپنی رو میں تنکوں کی طرح بہا کر لے گئے، چنانچہ یہ تمام مذاہب ان ماڈرن نظریات کے آگے ٹک نہ سکے۔ یہ ماڈرن نظریات چونکہ Man Made تھے اس لیے ان کی تباہی سو فیصد یقینی تھی اور وہ رونما بھی ہوئی اور ان کی تباہی کا یہ سلسلہ رکنے والا نہیں، لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی پٹی انسانیت کی آنکھوں پر باندھ کر ان نظریات وعقائد کی تباہی ابھی تک چھپائی جارہی ہے۔

لیکن افسوس اور صد افسوس تو اس بات کا ہے کہ مسلمان امت، جس کو آپ ﷺ کی سیرت کی صورت میں ایسا مکمل نظام زندگی ملا جس میں غلطی کی گنجائش تو دور کی بات اس کا تصور بھی محال ہے، وہ امت بھی سیرت کو چھوڑ کر ان تباہ حال نظریات میں ہی اپنی ترقی کا راز ڈھونڈ رہی ہے۔ یقیناً ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ اس امت نے سیرت کو اور سیرت کے پیغام کو یکسر بھلادیا ہے۔

ملک پاکستان میں تقریباً ہر بچہ اپنے تعلیمی ادارے (سکول، کالج، یونیورسٹی) میں سیرت کو ضرور پڑھتا ہے نیز ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں سیرت پر جتنا کچھ بولا اور لکھا جاتا ہے وہ بھی سب کے سامنے

ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ سیرت کی روشنی میں تمام ذاتی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کی بجائے غیروں کے بنائے ہوئے سسٹمز پر ہی نہ صرف راضی برضا ہے، بلکہ اسلام پر سب سے زیادہ اعتراضات بھی انہیں اداروں سے اٹھ رہے ہیں۔ اگر دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والا بچہ گمراہ نہیں ہوتا تو پھر بھی وہ اسلام کو دنیا بھر کے لوگوں کے لیے واحد نجات کا راستہ سمجھتے ہوئے ان تک اسلام کا پیغام پہنچانا اپنی زندگی کی اولین ترجیح نہیں بناتا، یا پھر اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح جامد و ساکت اور چند رسوم کا پابند سمجھتا ہے اور اسلامی فقہ کو زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت سے عاری سمجھتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی سمجھ آتی ہے کہ سیرت کو زیادہ تر عقیدتاً اور رسماً ہی پڑھانے پر اکتفا کیا گیا ہے، جبکہ سیرت کے اصل مقصد کو اور سیرت کے اہم گوشوں کو عوام کے سامنے پیش ہی نہیں کیا گیا۔ آج کا مسلمان سیرت کے ان گوشوں سے بالکل ہی ناواقف ہے اور دوہرا مجرم ہے کہ ایک طرف تو خود سیرت کو بھلا بیٹھا، دوسری طرف انسانیت تک سیرت کا یہ پیغام پہنچانے کا فریضہ بھی اسے یاد نہیں رہا۔ جب کہ آج کی اس سسکتی بلکتی انسانیت کو سیرت النبی ﷺ کی روح سے متعارف نہ کروانا اس کے ساتھ ظلم سے کم نہیں کہ اس کے درد کا علاج دنیا میں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن ہم مسلمان جب خود ہی اس کی روح سے ناآشنا ہیں تو کسی کو کیا دوا پیش کریں گے؟

یہ کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ تعلیمی اداروں میں ہمارے معزز اساتذہ کرام سیرت النبی ﷺ کو، جو کہ انسانیت کی نجات کا واحد راستہ ہے، اس طرح پڑھائیں کہ ان کے ادارے میں آنے والا ہر بچہ سیرت النبی ﷺ کا سفیر بن کر پوری دنیا کو اس سے متعارف کروانے والا بن جائے۔ اس کتابچے کو پڑھنے اور سننے کے بعد ہر استاد اور شاگرد اس کو اپنا فریضہ سمجھے کہ سیرت مصطفیٰ ﷺ کو انسانیت کے نجات دہندہ کے طور پر پوری دنیا سے منوانا اب میری اولین ذمہ داری ہے۔

تیسر علی

شبان ایجوکیشنل فورم

29 رمضان، 1442 ہجری

12 مئی، 2021

واحد راستہ

سیرت طیبہ میں تو آپ ﷺ کی مکمل زندگی، کردار، اخلاق، معجزات، تعلیمات، غزوات، خصوصیات اور ثمرات سب کچھ شامل ہے لیکن اس سیشن میں آپ سب کے سامنے سیرت کے مختلف پہلوؤں میں سے صرف اس پہلو پر گفتگو کرنا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کی جامع تعلیمات تمام بنی نوع انسانوں کی دنیا وآخرت کی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

دین فطرت اسلام کا مقصد تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا، اسلام نے دنیا میں مرد وعورت، بادشاہ و فقیر، تعلیم یافتہ وان پڑھ، کمزور وطاقتور سب کو برابری کا پیغام سنایا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ اب سوائے امن کے دنیا میں اور کچھ بھی نہیں ہوگا، حق کا راج ہوگا، نہ تو کوئی بھوکا سوئے گا اور نہ ہی کسی پر ظلم روا رکھا جائے گا۔ آپ ﷺ نے اسی سسٹم کو اپنی حیات مبارکہ میں نافذ کر کے بھی دکھایا کہ جس نے مردہ انسانیت میں ایک نئی روح پھونک دی، یہ نئی روح کیا تھی یہی کہ آپ ﷺ ہر انسان کے خود اس سے بھی زیادہ خیر خواہ ہیں۔

آج کے اس جدید دور میں مساوات انسانیت کا نعرہ دھرتی کے ہر ملک میں گونج رہا ہے لیکن دنیا کا چپہ چپہ عدم مساوات کی داستانوں سے آلودہ ہے جبکہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ایک ایک لمحہ ایسے واقعات سے پُر ہے۔ مثلاً غزوۂ بدر میں لشکرِ اسلام کے پاس سواری کے لیے صرف 70 اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہوا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد رضی اللہ عنہ اپنے حصے میں آنے والے ایک ہی اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ کیا دنیا کے کسی ایک پیشوا کی زندگی میں صرف ایک ہی ایسا واقعہ مل سکتا ہے؟

مسلمان امت جس کو اقوام عالم کے لیے رول ماڈل ہونا چاہیے تھا اور جن کے پاس زندگی گزارنے کا ایسا فول پروف سسٹم تھا کہ اگر کوئی ایک اسلامی ملک ہی اس کو مکمل طور پر نافذ کر لیتا تو بقول علامہ اقبال مرحوم ... پوری دنیا پر شرع پیغمبری آشکار ہو جاتی اور ہر کوئی سیرت اپنانے میں ہی عافیت سمجھتا، لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کی زندگیوں میں سیرت کا خلاء اتنا گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہمارا اس اہم خلاء کے بارے میں احساس بھی کم ہوتا جا رہا ہے اور آہستہ آہستہ اس احساس کی رمق بھی ختم ہو جائے گی۔ کتنے دکھ کی

بات ہے کہ نہ تو ہم نے سیرت کو اپنایا اور نہ ہی کفار کو سیرت کے اعلی مقام سے آگاہ کیا۔
اس موضوع کا اختتام میں دو اقوال سے کرنا چاہوں گا۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وھب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''امت کے اس آخری حصہ کی اصلاح بھی اسی طریقہ پر ہوگی جس طریقہ پر امت کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی تھی۔''

(مسند الموطا للجوهري، صفحه 584، رقم:783)

اس طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن لوگوں کو لائے اور کیسے لائے اگر صرف یہی پڑھ لیا جائے تو سارا دین متین سمجھ آجاتا ہے۔اتنی طویل انسانی تاریخ میں صرف 13 سال کے ریکارڈ عرصے میں ایک جماعت ایسی تیار کی گئی کہ جس نے دنیا بھر کو اپنی آغوش میں سمولیا، ایسی مثال ملنا واقعتاً محال ہے۔
پھر حیرت در حیرت یہ کہ کن کو لائے؟ عرب کے ان لوگوں کو جن پر کوئی نگاہ التفات بھی نہیں ڈالتا تھا اور جو ترقی یافتہ قوموں کی صف میں سب سے پیچھے تھے۔کیسے لائے؟ قرآن کریم اور اپنی عملی سیرت کے ذریعے ان کا ایمان ویقین ایسا پختہ بنایا کہ جس پر حالات کی نرمی گرمی بھی اثر انداز نہ ہوسکے۔
دوسرا قول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے:

''بجز پیروی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام راہیں بند ہو چکیں۔''

یہی اس کتابچہ اور سیشن کا مقصد ہے کہ ہر مسلمان کا سو فیصد کامل یقین بن جائے کہ اب دنیا کے نہ صرف ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام کے تمام 7 ارب انسانوں کے لیے امن وسکون کی زندگی اور دنیا و آخرت کی کامیابی فقط سیرت کو اپنانے میں ہے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بچا ہی نہیں۔
اللہ پاک سیرت کو اپنانے اور ساری دنیا میں اس کا سفیر بننے کے لیے ہم سب کو قبول فرمالیں۔آمین

تاثیر وانقلاب

آج ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم اس پر تو یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کی کامیابی اور پرسکون و پرامن زندگی کا واحد حل سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنانے میں ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم خود اس سیرت پر نہیں چل رہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہی سمجھ آتی ہے کہ ہمارا سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ تعلق کبھی قائم نہیں ہو پاتا جو کہ زندگی کی ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے۔ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تعلق صرف اسی صورت قائم ہو سکتا ہے جبکہ ہم سیرت کو اپنائیں، ہم سیرت کو ہی بولیں اور سیرت پر ہی سب کو لانے کی انتھک کوشش کریں۔

تاثیر وانقلاب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی خصوصیت ہے، جس نے بھی اس کو گلے سے لگایا اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کچھ نہ تھے، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب کچھ ہو گئے۔ قیامت کی آخری گھڑی آنے تک یہ اللہ پاک کا فیصلہ ہے کہ جو کوئی بھی جہاں کہیں اور جس حال میں بھی ہوگا اگر وہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا لے گا تو دنیا کی عظمتیں بھی اسی کی ہیں اور آخرت کی کامیابیاں بھی۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاثیر وقت اور جگہ کی قید سے آزاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج ساڑھے چودہ سو سال گزرنے تک، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاثیر وانقلاب کے لاتعداد حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں جن میں سے چند سنائے دیتا ہوں۔ ورنہ یقین مانیے کہ ہر واقعہ ہی سنانے کے لائق ہے، دلوں کو منور کرتا ہے اور ٹھوکریں کھاتی انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کارگزاریوں کو ساری زندگی سنانے کا معمول بنائیے کیونکہ ہر ایک سنانے والے کی اپنی زندگی میں بھی یہ انقلاب رونما ہو کر رہتا ہے۔

تمام اساتذہ ایک ایسے محاذ پر کھڑے ہیں کہ اگر انہوں نے یہ محاذ چھوڑ دیا تو پھر اس کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوگا اور پوری نوع انسانی کی زندگیوں میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو جائے گا جس کو نہ تو یونیورسٹیاں پُر کر سکیں گی اور نہ ہی کوئی اور محنت پُر کر سکے گی۔ اور وہ محاذ ہے نوجوان نسل کو فتنوں کی ظلمت سے نکال کر سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روشن راستے پر لانا۔

ڈاکٹرعبدالرحمٰن السمیط رحمہ اللہ:

ڈاکٹرعبدالرحمٰن السمیط رحمہ اللہ کا قصہ میں آپ کو اس لیے سنا رہا ہوں کیونکہ اس قصہ سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آج بھی مسلمانوں میں سے جوشخص سیرت النبی ﷺ کو اپنائے گا وہ چند ہزار یا چند لاکھ نہیں بلکہ کروڑوں لوگوں کی دنیا وآخرت کی نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے اور رحمت خداوندی سے کچھ بعید نہیں کہ ان خوش نصیبوں میں سے میں اور آپ بھی ہوں۔ کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر جب تبلیغ دین کے کام کو اپنائے تو صرف ایک براعظم افریقہ میں دعوت اسلام کے تقریباً 30 سالہ قلیل عرصہ میں ان کے ہاتھوں تقریباً ایک کروڑ سے زائد لوگوں نے اسلام قبول کیا ہو، اب ان ایک کروڑ لوگوں سے آگے جو لاتعداد نسلیں چلیں گی تو یہ ایک کروڑ دراصل کئی ارب لوگ بن جائیں گے۔

ڈاکٹرعبدالرحمن السمیط رحمہ اللہ 15 اکتوبر 1947ء کو کویت کے ایک رئیس گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بغداد یونیورسٹی سے میڈیسن اور سرجری میں بی ایس کی ڈگری حاصل کی، 1974ء میں لیور پول یونیورسٹی انگلینڈ سے ٹراپیکل امراض میں ڈپلومہ حاصل کیا پھر میک گل یونیورسٹی کینیڈا سے سپیشلائیزیشن کیا، اس کے بعد چار سال تک مانٹریال پبلک ہسپتال میں جاب کرتے رہے اور اپنے شعبے سے متعلق کچھ ریسرچ پیپرز بھی شائع کرتے رہے، یہاں تک آج کے دور کے ایک عام مسلمان ڈاکٹر اور ڈاکٹر السمیط کی زندگی اور سوچ میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا لیکن 1981ء میں ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر السمیط اپنی زندگی کا سب سے اہم اور مشکل ترین فیصلہ کرتے ہیں اور اپنی ساری زندگی لوگوں کو اسلام پر لانے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ وہ دوسروں کی مدد کے لیے اپنے وطن میں عیش وعشرت کی زندگی کو چھوڑ کر افریقہ کے تپتے صحراؤں میں چلے گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے دعوتِ اسلام اور یتیموں اور بے کسوں کی مدد کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔ افریقہ میں دورانِ قیام ان پر کئی مرتبہ جان لیوا حملے بھی ہوئے۔ لیکن الحمدللہ وہ ان حملوں سے بچ نکلے۔

دعوتی سفر میں وہ موزمبیق اور کینیا وغیرہ میں کئی بار جنگلی جانوروں کی زد میں آگئے اور زہریلے سانپوں نے ان کو کئی بار ڈسا لیکن اللہ پاک نے ان کو بچا لیا۔ اس کے علاوہ بھی ان کی ساری زندگی آزمائشوں سے بھری پڑی ہے، انہیں کویت اور عراق جنگ کے دوران گرفتار کر کے شدید اذیتوں کا نشانہ

بنایا گیا۔اس سلسلے میں کبھی تذکرہ نکلتا تو وہ کہتے کہ مجھے اس وقت یقین تھا کہ موت صرف اسی وقت آئے گی جس وقت اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں لکھی ہوگی۔وہ اپنے آبائی وطن کویت بہت کم آتے تھے۔بس رشتے داروں کی زیارت یا علاج کے لیے ہی آتے تھے۔

بالآخر یہ شخص 15 اگست 2013ء کو اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔ان کی وفات پر یورپ کے اخباروں نے لکھا کہ آج افریقہ یتیم ہوگیا۔

ان 30 سالوں میں اسلام کی سربلندی اور پھیلاؤ کے لیے انہوں نے تقریباً پانچ ہزار سات سو مساجد تعمیر کروائیں، پانی کے 9500 کنویں کھدوائے، 124 ہسپتال اور ڈسپنسریاں بنائیں، 860 مدارس بنوائے، 4 یونیورسٹیاں بنائیں اور ایک کروڑ سے زائد لوگوں کو دین اسلام کے خوشبودار دامن سے جوڑ کر اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

(حوالہ: ویب سائیٹ www.direct-aid.org)

اہم نکتہ:

میں یہاں ایک بہت اہم نکتہ اٹھانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ڈاکٹر عبدالرحمن السمیط کینیڈا میں ہسپتال کی نوکری جوائن کرتے ہیں اور 4 سال اسی میں لگا دیتے ہیں۔ان چار سالوں کے بعد ان کی زندگی میں ایک یوٹرن آتا ہے اور اس کے بعد والی زندگی بالکل دوسری سمت چلی جاتی ہے۔ان دو سمتوں میں سے کون سی سمت آپ بھی اپنانا چاہیں گے؟ان کی زندگی کا پہلا رخ تو یہ تھا کہ وہ کینیڈا کے ایک ہسپتال میں جو 4 سال لگا چکے تھے تو کچھ سال اور وہاں تجربہ حاصل کرتے،اس دوران ڈاکٹری میں مزید سپیشلائزیشن حاصل کرتے،اور کچھ سالوں بعد کیریئر ڈیولپ کرنے کے لیے دنیا کے کسی اور بڑے ہسپتال میں جاب ڈھونڈ لیتے اسی طرح چلتے چلتے اپنا کوئی ہسپتال بنا لیتے اور پھر اس پر ساری زندگی محنت کرتے رہتے۔یہ وہی طریقہ زندگی ہوتا جو ہزاروں لاکھوں مسلمان ڈاکٹروں کا ہے لیکن دوسرا رخ بھی ذرا دیکھ لیتے ہیں اب 4 سال بعد ڈاکٹر عبدالرحمن السمیط ایک بہت ہی مشکل اور ہمت والا فیصلہ کرتے ہیں۔یہ وہ فیصلہ ہے جو لاکھوں کروڑوں میں کوئی ایک ہی کر پاتا ہے۔اس وقت ان کے پاس مزید زندگی کے 30 سال جو تھے وہ ان کو بڑا ڈاکٹر بننے میں بھی کھپا سکتے تھے اور یا پھر اسی طرح افریقہ میں پیغامِ اسلام اور پیغام محمدی ﷺ کو پھیلانے میں لگا سکتے تھے لیکن

انہوں نے اپنے کیریئر اور دولت کو اس وقت قربان کیا جس عمر میں یہ چیزیں سب سے زیادہ پیاری لگتی ہیں اور ان کو قربان کرنا اتنا ہی مشکل بھی ہوتا ہے۔لیکن ان کی نظر اپنی دولت کی بجائے اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر تھی جس میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ڈاکٹر عبد الرحمن السمیط کے لیے سب کچھ داؤ پر لگانا اس لیے آسان ہوا کیونکہ ان کی نظر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قربانیوں پر تھی۔ان تمام آزمائشوں اور تکلیفوں کو مدنظر رکھا جائے تو شاید ان کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ پیدا کرنا مشکل ہو،لیکن جو پھل انہوں نے حاصل کیا، اللہ کی قسم اس کے بعد دل تو یہی کرتا ہے کہ ہر ایک کو ایسی ہی زندگی گزارنے کی ہمت کرنی چاہیے۔

یہ صرف ایک مسلمان ڈاکٹر کی نصف عمر تبلیغ کی کمائی کا نتیجہ ہے اور یہی درحقیقت مسلمان کا اصل کیریئر ہے جس کو آج ہم سب کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن السمیط نے تبلیغ دین کے لیے سیرت کے جس پہلو کو اپنایا اس رخ کو اپنا کر آج بھی ہر مسلمان ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کے کام آنا اور ان کی ضروریات کو پورا کر کے انہیں دین و دنیا کی بھلائی سے روشناس کروانے کو اپنی محنت کا میدان بنایا اور اس محنت میں بھی دعوت کو ہی مقدم رکھا تاکہ ان محروم لوگوں کو عارضی ضرورت کے ساتھ دائمی راحت اور کامیابی مل سکے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہر لمحہ دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کا کتنا خیال رکھا جاتا تھا۔

آج کفار کی زندگی کا مکمل ماڈل ہم مسلمانوں نے بھی اپنا لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روز ہزاروں انسان کلمہ کے بغیر اس دنیا سے جا رہے ہیں اور ہمیشہ ہمیش کی ناکامی اور جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔اللہ پاک اس عظیم نقصان کا درد ہم سب کو نصیب فرمائے۔اسلام کمانے سے نہیں روکتا لیکن سارا دن صرف کمانے میں گزر جائے گا تو ہم جو دنیا کی ہدایت کے لیے خیر الامت بنا کر بھیجے گئے ہیں اس عظیم کام کو کبھی نہیں کر پائیں گے جو ایسا نقصان عظیم ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سسٹر امینہ (سابقہ جینس ہف):

اللہ پاک نے سیرتِ رسول ﷺ میں وہ تاثیر رکھی ہے کہ پیدائشی مسلمان ہو یا نومسلم، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد سے لے کر آج تک ایسی لاتعداد مثالیں ہیں کہ اس سیرت کو اپنانے والا چاہے کسی بھی رنگ، نسل یا قوم سے ہو وہ دنیا کے لیے ایک مثال بن گیا ہے اور اگر وہ اسلام کا شدید مخالف تھا تو بھی اسلام کو

پڑھنے کے بعد اس کی تعلیمات کا سب سے بڑا داعی بن گیا۔ پھر اس کے بعد اس کو ایک بے چینی سی رہتی ہے کہ کس طرح ساری دنیا کو سمجھاؤں کہ اسلام ہی واحد راہ نجات ہے۔

سسٹر امینہ جن کا نام جینس ہف تھا بھی انہی میں سے ایک ہیں جو امریکی ریاست لاس اینجلیس کے علاقے ایسٹ کے ایک عیسائی مذہبی گھرانے میں 1945ء میں پیدا ہوئیں۔ وہ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ہمیشہ پیش پیش ہوا کرتی تھیں اور امریکہ کے سنڈے اسکولوں میں عیسائیت کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ وہ تحریکِ آزادیِ نسواں کی بھی پُر جوش کارکن تھیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ قبولِ اسلام سے پہلے اسلام کے بارے میں امریکی معاشرے میں پھیلائے گئے جھوٹے پراپیگنڈے پر دوسروں کی طرح وہ بھی یقین رکھتی تھیں اور یہیں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں کیا سوچ رکھتی ہوں گی۔

قبولِ اسلام کے بعد انہیں غیر معمولی قربانیاں بھی دینی پڑیں مگر انہوں نے کسی موقع پر حوصلہ مندی اور استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ کمال جذبے کے ساتھ تبلیغ کی محنت کرتی رہیں۔

ہائی سکول کی تعلیم مکمل کرنے پر ان کی شادی کردی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ماڈلنگ کے شعبے کو بھی جوائن کرلیا تھا۔ کچھ ہی عرصہ میں ان کی محنت رنگ لائی اور ان کا فیملی بزنس خوب چمک گیا۔ پیسے کی ریل پیل ہوگئی۔ بہترین گاڑیاں بمعہ ڈرائیورز، اولاد، ہر طرح کی آسائشیں غرض وہ تمام چیزیں جن کا ایک لڑکی خواب دیکھ سکتی ہے ان کو کم عمری میں ہی یہ سب کچھ مل گیا تھا۔ لیکن وہ خود کہتی ہیں کہ سچی بات ہے کہ ہر طرح کے تعیش، راحت و آرام حاصل کر لینے کے بعد بھی ان کا دل مطمئن نہیں تھا۔ بے چینی اور اداسی گویا مستقل جان کا روگ بن گئی تھی زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ لہٰذا اسی سکون کو پانے کے لیے انہوں نے اپنا ماڈلنگ والا پیشہ چھوڑ دیا اور دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کرلی اور سکولز، کالجز، یونیورسٹیز میں جا کر رضا کارانہ عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنا شروع کردی۔ اور سکون کی تلاش میں انہوں نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا کہ شاید اس بہانے روح کو کچھ سکون ملے۔ اس وقت ان کی عمر تیس برس تھی۔

سسٹر امینہ کہتی ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ اپنی کلاس میں داخل ہوئی تو مجھے یہ دیکھ کر دھچکا لگا کہ اس کلاس میں مسلمان طلباء کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں اس کلاس میں بیٹھوں جس میں یہ گندے مشرک (یعنی مسلمان) بھی موجود ہوں۔ میں نے انہی قدموں پر پلٹ

کر کلاس کا دروازہ زوردار طریقے سے بند کیا اور بجائے کلاس اٹینڈ کرنے کے میں گھر واپس آ گئی۔ گھر آ کر میں نے اپنے شوہر کو کلاس کے مسلمانوں والے واقعے کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہا کہ میں ایسی کلاس میں کبھی نہیں جاوں گی۔ میرے شوہر نے مجھے کہا کہ آپ خود ہی ہمیشہ کہتی رہتی ہیں کہ اللہ ہر کام کسی مصلحت کے تحت ہی کرتے ہیں تو پھر اب آپ کو کلاس چھوڑنے سے پہلے کچھ وقت وہاں گزار کر دیکھ لینا چاہیے نیز آپ سکالرشپ پر پڑھ رہی ہیں تو آپ کو اپنا GPA برقرار رکھنا ہوگا۔ اگلے دو دن میں یونیورسٹی جانے کی بجائے اللہ سے دعا مانگتی رہی کہ میری راہنمائی فرمائے۔ پھر میرے دل میں آیا شاید اللہ نے مجھے ان مسلمانوں کی کلاس میں اس لیے داخلہ دلوایا ہے تاکہ میں ان غریب لوگوں کو گمراہی سے نکال سکوں۔ اسی لیے میں نے کلاس میں دوبارہ جانا شروع کر دیا۔

مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ عام یورپین آبادی کی طرح میرے نزدیک بھی اسلام وحشت و بربریت کا مذہب تھا اور یہ کہ مسلمان غیر مہذب اور عورتوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔

بہرحال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن ابتداء میں ہی مجھے حیرت میں مبتلا ہونا پڑا کیونکہ مسلمان طلباء کا رویہ انتہائی مختلف تھا۔ وہ شائستہ، مہذب اور باوقار تھے۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کی طرح لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرانگی یہ تھی کہ اسی امریکی معاشرے میں پلنے بڑھنے کے باوجود یہ طلبہ منفرد اور پاکیزہ رویے کیسے اپنائے ہوئے تھے؟ اب میں عیسائیت کی تبلیغ کے جذبے کے تحت ان سے بات کرتی۔ ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی کہ اگر تم مسلمانوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانا تو جہنم کی آگ میں جلو گے، کبھی میں انہیں سمجھاتی کہ کس طرح عیسیٰ علیہ السلام ان سے محبت کرتے ہیں اور انہوں نے تمھیں گناہوں کے عذاب سے بچانے کے لیے کس طرح سولی پر جان دے دی۔ لیکن یہ سب کچھ سننے کے باوجود مسلمان سٹوڈنٹس کا رویہ مجھ سے بہت شفیق رہا۔ جب اپنی تبلیغ کا کوئی اثر ان پر ہوتے نظر نہ آیا تو میں نے سوچا کہ مجھے ان کی کتابیں پڑھنی چاہیے تاکہ میں ان کو ثابت کر سکوں کہ اسلام ایک جھوٹا مذہب ہے۔ (نعوذ باللہ)

میری ان کوششوں کے دوران ایک مسلم کلاس فیلو نے مجھے قرآن کریم اور ایک کتاب پڑھنے کو دی اور میں نے اسلام کے بارے میں اپنی ریسرچ شروع کر دی۔ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی مجھے ایسے ثبوت

مل جائیں گے کہ جس کے بعد میں اپنا دعویٰ ان پر ثابت کرسکوں گی کہ اسلام سچا مذہب نہیں ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور حیرت کے سمندر میں ڈوب گئی کہ کس طرح یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے۔ عیسائیت پر غور وفکر اور بائبل کے مطالعے کے نتیجے میں کتنے ہی سوال ذہن میں پیدا ہوتے تھے مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کے جوابات نہ تھے اور یہی سوالات اب روح کا مستقل روگ بن چکے تھے۔ مسز امینہ بتاتی ہیں کہ جب میں نے قرآن کریم پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جوابات مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے پھر میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ تو اندازہ ہوا کہ میں خوداب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ شدت سے احساس ہوا کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پروپیگنڈے کے برعکس نبی اکرم ﷺ انسانیت کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ تھے۔ خصوصاً انہوں نے عورت کو جو مقام اور مرتبہ عطا فرمایا، اس کی اس سے پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے ورنہ میں بذاتِ خود بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی، **چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لیے عفت، پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے ہیں تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضروریات اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔** پھر حضور ﷺ نے عورت کا مرتبہ جس درجہ بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے اور آپ ﷺ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ عورت نازک آبگینوں کی طرح ہیں اور تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ قرآن کریم اور سیرت رسول ﷺ کی تعلیمات سے میں مطمئن ہوگئی نیز بعض کلاس فیلو نوجوان مسلمانوں کے کردار نے اسلام کے متعلق میری ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا تھا۔ اس دوران میرے اور میرے شوہر کے درمیان کچھ مسائل کھڑے ہونا شروع ہوگئے۔ میں دراصل تبدیلی کے ایک فیز سے گزر رہی تھی جس سے ان کو تکلیف ہو رہی تھی۔ ہم ہر جمعہ اور ہفتے کو بار میں جایا کرتے تھے یا پارٹیوں میں جایا کرتے تھے لیکن اب میں ایسے ماحول میں نہیں جانا چاہتی تھی۔ چونکہ اسلام میرے

دل میں گھر کر رہا تھالہذا میں نے اپنے شوہر سے بھی کچھ فاصلہ رکھنا شروع کر دیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید میں کسی اور مرد میں دلچسپی لے رہی ہوں ۔لہذا انہوں نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا۔ پھر میں اپنے بچوں کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ میں شفٹ ہوگئی ۔ میری اسلام کی طرف رغبت کو دیکھ کر ایک دن میرے کلاس فیلو اپنے ساتھ ایک مسجد کے امام شیخ عبدالعزیز کو میرے گھر لے آئے۔ان امام صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اسلام قبول کرنا چاہ رہی ہیں کیا؟ میں نے کہا نہیں میں مسلمان تو نہیں ہونا چاہ رہی، میں تو عیسائی ہوں لیکن میرے کچھ سوالات ضرور ہیں اگر آپ کے پاس وقت ہو تو۔

دورانِ گفتگو ان امام صاحب نے پوچھا کیا آپ ایک اللہ کو مانتی ہیں تو میں نے کہا جی ہاں۔ پھر انہوں نے پوچھا کیا آپ حضرت محمد ﷺ کو اللہ پاک کا سچا نبی مانتی ہیں تو میں نے کہا جی ہاں۔تو انہوں نے مجھے کہا آپ تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔لیکن میں نے ان سے بحث کی کہ نہیں میں تو عیسائی ہوں۔ گفتگو چلتی رہی اور اسی سہ پہر کو عصر کے قریب 21 مئی 1977ء کو میں نے ان کے سامنے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔

میرے قبولِ اسلام پر پورے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی ۔میرے والد مجھ سے بہت محبت کرتے تھے مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد غصہ ہوئے اور اپنی ڈبل بیرل گن لے کر میرے گھر آئے تا کہ مجھے قتل کر سکیں۔مگر خدا کا شکر میں بچ گئی اور وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے تعلق ختم کر کے چلے گئے۔میری بڑی بہن ماہرِ نفسیات تھی ،اس نے اعلان کر دیا کہ میں کسی دماغی بیماری میں مبتلا ہوگئی ہوں اور میری بہن نے مجھے کسی مینٹل ہسپتال میں داخل کروانے کے لیے بہت دوڑ دھوپ کی۔

ہمارے میاں بیوی کے تعلقات مثالی تھے لیکن میرے قبولِ اسلام کا سن کر میرے خاوند کو غیر معمولی صدمہ ہوا۔میں نے انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور میرے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔عدالت میں بچوں کی تحویل کے لئے تقریباً دو سال مقدمہ چلتا رہا۔آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے جمہوری ملک کی آزاد و خود مختار عدلیہ نے فیصلہ سنایا کہ اگر تم بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا کیونکہ اس قدامت پسند مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہوگا۔**عدالت نے مجھے 30 منٹ دیئے کہ میں چیمبر میں جا کر سوچ لوں کہ مجھے بچوں اور اسلام**

میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔ اس سے میرا سر چکرا کر رہ گیا۔ میں چیمبر میں چلی گئی اور 30 منٹ تک اللہ سے بس رو رو کر ایسے دعا کرتی رہی کہ زندگی میں کبھی اس طرح دعا نہیں کی ہوگی۔ جب 30 منٹس مکمل ہوئے تو میں نے جا کر کورٹ کو بتا دیا کہ میں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی۔ بچے خاوند کے حوالے کر دیئے گے۔ میں بوجھل قدموں سے کورٹ سے نکلی، مجھے ایسے لگا کہ جیسے دل پھٹ جائے گا۔لیکن الحمدللہ اس وقت مجھے آیت الکرسی نے بہت سہارا دیا۔ طلاق اور بچوں سے محرومی ہی صرف میرا مسئلہ نہیں تھا بلکہ پورے خاندان نے میرا مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا، پھر میری نوکری بھی چلی گئی ہوا یہ کہ جس دن میں نے حجاب لیا اسی دن مجھے نوکری سے بھی نکال دیا گیا۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ ایک مراکشی مسلمان سے میں نے دوبارہ شادی کی لیکن وہ بھی صرف تین ماہ بعد انجام پذیر ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم کے سکون واطمینان سے سرشار تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کر لیا اور تبلیغ دین میں اپنے آپ کو کھپا لیا۔ اپنے خاندان تک بھی دعوت حق کا پیغام پہنچاتی رہی لیکن اس سارے اندھیرے میں میرے لیے روشنی کی پہلی کرن میری دادی اماں ثابت ہوئیں اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور پھر فوراً بعد ہی ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ چند سالوں بعد جب میں نے عوام میں تبلیغ کا بھرپور کام شروع کر دیا تو میری والدہ نے مجھے فون کیا اور کہا کہ یہ اسلام کیا چیز ہے میں نہیں جانتی لیکن مجھے امید ہے کہ تم اس پر پختہ رہو گی جبکہ اسلام قبول کرتے وقت میری والدہ نے کہا تھا کہ اس وقتی اُبال کے کچھ دنوں بعد تم دوبارہ عیسائی ہو جاؤ گی۔ اس کے چند سالوں بعد میری والدہ کا فون آیا کہ اگر کسی نے اسلام قبول کرنا ہو تو اسے کیا کرنا ہوگا؟

میں نے ان کو جب اس بارے گائیڈ کیا تو میری والدہ نے کہا اچھا اپنے والد کو میرے بارے میں نہ بتانا، جبکہ میری والدہ جانتی نہیں تھیں کہ دو ماہ پہلے ہی میرے والد بھی اسلام قبول کر چکے تھے الحمدللہ۔ پھر ایک دن میری ماہر نفسیات بہن نے مجھے فون کیا اور کہا وہ یہ سمجھتی ہے کہ میں قبولِ اسلام کے بعد دنیا کی آزاد ترین عورت بن گئی ہوں۔

قصہ مختصر ہر سال میرے خاندان کے لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔ مجھے سب سے زیادہ خوشی اس دن ہوئی جس دن مجھے ایک امام صاحب نے بتایا کہ میرے سابقہ شوہر نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔

اورانہوں نے امام صاحب کو بتایا کہ میں نے اسلام قبول اس لیے کیا ہے کیونکہ **میں پچھلے 16 سال سے امینہ کوواچ کررہاہوں اوراب میری خواہش ہے کہ میری بیٹی بھی وہی بنے جومیری سابقہ بیوی بن چکی ہے۔** آخر کارمیرابیٹا جس کی عیسائی مذہب پر تربیت ہورہی تھی وہ ایک روز میرے پاس آیااور کہنے لگا، ممی میں اپنانام فاروق رکھ لوں توآپ کے خیال میں کیسا رہے گا؟ میں حیرت اورخوشی سے نہال ہوگئی۔ میں نے اسے گلے سے لگالیا، پیارکیااوراسلام کی دعوت پیش کی تواس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری آزمائش کی لیکن اس کے بدلے مجھے سوچ سے بھی کئی گنا بڑھ کر دنیامیں ہی عطا کیا۔ کچھ عرصہ پہلے مجھے ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ کوہڈیوں کا کینسرہےاورنا قابل علاج سٹیج پر ہےاورمیں صرف ایک سال زندہ رہ پاؤں گی۔ مجھے اپنے بچوں کی فکرلاحق ہوئی خاص طور پراپنے سب سے چھوٹے بیٹے کی کہ کون اس کاخیال رکھے گا۔لیکن الحمدللہ میں ڈپریشن کا شکارنہیں ہوئی۔ میں نے سوچا ایک دن ہم سب نے مرناہےاور مجھے یقین تھا کہ جس درد سے میں گزررہی ہوں اس میں بھی اللہ پاک کی کوئی حکمت ہوگی۔ بہرحال مجھے تمام لوگوں نے سہارا دیا، محبت دی۔ جلد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ میرے لیے ہر ایک تک اس سچائی کے پیغام کوپھیلانا کتنا اہم ہے۔اب میں نے اپنے آپ کواللہ کے فضل سے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کردیاہےاورجی چاہتاہے کہ بقیہ زندگی اسی مبارک فریضہ کی نذرہوجائے۔ میں نے الحمدللہ قرآن کریم کوخوب پڑھا، عربی زبان بھی سیکھی۔ یہ بھی اللہ ہی کی توفیق ہے کہ میں نے مختلف مقامات پرمسلم وومن سٹڈی سرکل قائم کیے جن میں غیرمسلم خواتین بھی آتی ہیں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں ڈیڑھ سوسال پہلے عورت کی باقاعدہ خریدوفروخت ہوتی تھی اوراس ایٹمی اورسائنسی دورمیں بھی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ اوریورپ میں عورت عملاً دوسرے درجے کی شہری ہے۔ میں یورپ اورامریکی معاشرے کاعورت کے بارے میں کھوکھلاپن ضروربتاتی ہوں اوراس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی ہوں کہ آج سے 1400 سال پہلے اسلام نے خواتین کوجوحقوق عطا کئے تھےاس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کیسے کیسے درجات ملے ہیں، کیا کیا عزتیں اسلام نے عورت کودی ہیں، جب میں یہ تقابلی موازنہ پیش کرتی ہوں توامریکی عورتوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔ پھروہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اوربالآخراسلام کے دامن رحمت میں پناہ لے لیتی ہیں۔ **چنانچہ اللہ کاشکرہےاب تک 600 امریکی خواتین**

دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔

مجھے ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ میں لوگوں کو یہ بتا سکوں کہ کیسے میری زندگی بدل گئی ہے۔ مجھے انتہا کی خوشی ہے کہ میں مسلمان ہوں، اسلام میری زندگی ہے، اسلام میرے دل کی دھڑکن ہے، اسلام وہ خون ہے جو میری رگوں میں دوڑتا ہے۔ اسلام اتنا خوبصورت اور اتنا باکمال ہے۔ میں اسلام کے بغیر کچھ بھی نہیں، اگر خدانخواستہ میرا اللہ مجھ سے منہ موڑ لے تو میں زندہ نہیں رہ سکتی۔

فروری 1990ء میں سسٹر امینہ پاکستان میں منعقدہ خواتین کی ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان بھی آئی تھیں۔ یہاں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کالج، کنیرڈ کالج، کالج آف ہوم اکنامکس اور اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں خطابات کیے۔ انہوں نے پاکستان کی خواتین کو بار بار یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ پردے میں عورت کی عزت واحترام ہے اور عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری بچوں کی پرورش ہے۔ انہوں نے بڑے دکھ سے کہا میں سمجھتی تھی کہ پاکستان کا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہو گا لیکن یہاں کی خواتین یورپین عورتوں کی نقالی میں ماڈرن ازم کو اختیار کرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ میں انہیں تنبیہ کرتی ہوں کہ یورپ کی تقلید نہ کریں کیونکہ آج یورپ میں عورت سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں۔ وہ فحاشی اور عدم تحفظ کے گڑھے میں گر گئی ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا وہ بھی کھو دیا ہے۔ جونہی ایک خاتون 35 سال سے تجاوز کرتی ہے اسے اس طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ وہ زندہ لاش بن کر نفسیاتی مریضہ بن جاتی ہے۔ بڑھاپے میں والدین شدید کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں۔ غرض وہاں نہ تو عورتوں کو سکون حاصل ہے نہ بچوں کو اور نہ ہی بوڑھوں کو۔ پھر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ پاکستانی خواتین و مرد حضرات اس معاشرے کو آئیڈیل کیوں سمجھتے ہیں اور وہی طور طریقے اختیار کر رہے ہیں جنھوں نے امریکہ اور یورپ کو تباہ وبرباد کر دیا ہے۔

2010ء میں سسٹر امینہ خواتین کے لیے ایک سینٹر کی میٹنگ سے واپس آتے ہوئے کار حادثے کا شکار ہوئیں اور اس دنیا فانی سے رخصت ہوئیں۔

ایسی آزمائشوں سے پُر زندگی پائی اور حیران کن بات یہ ہے کہ اپنی شفیق روش، خوش طبعی، حسن اخلاق اور انسانی احترام کی وجہ سے خواتین میں Smiling Lady کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ ہم

پیدائشی مسلمانوں کو ان کی زندگی سے کتنے ہی سبق مل سکتے ہیں۔اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے۔
(ہم کیوں مسلمان ہوئے-ڈاکٹر عبدالغنی فاروق،ایڈیشن 2010،صفحہ 41 تا52)

محمد محب اللہ(سابقہ سوامی آنندہ):

سیرت کی تاثیر ایسی ہے کہ انسانی عقل اس پر حیران و دنگ ہے۔آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر آج تک اور ہمیشہ ایسے واقعات کثرت سے ملتے رہیں گے کہ سیرت پڑھ کر اسلام قبول کرنے والوں کی لسٹ میں کیسے کیسے لوگ شامل ہیں۔اب جو کارگزاری سنانے جا رہا ہوں وہ بھی ایسے ہی ایک واقعہ کے متعلق ہے۔اس کارگزاری کو پڑھنے کو بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ ﷺ کی سیرت کو جان لینے کے بعد دنیا کا ہر انسان اس کو حق اور سچ ضرور مان لیتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسے قبول نہ کرے یا کم از کم اس کا دل جان لیتا ہے کہ اسلام ہی اصل دین ہے چاہے وہ دنیاوی مسائل ومفادات کی وجہ سے اسے قبول نہ بھی کرے۔

آج کی کارگزاری بدھ مت کے ایک بھکشو(مذہبی پیشوا) کی ہے جو خدا کا اوتار بن کر 45 سال مزے کی زندگی گزارتے رہے۔

وہ کہتے ہیں کہ بدھ خدا کا اوتار بن کر میں نے ایک شاہانہ زندگی گزاری،لوگ میرے پیروں پر سجدے کرتے رہے، پھر انہوں نے میرے خدا ہونے کا یقین کر لیا اور مجھے بھی اس پر یقین ہو چلا۔میرا دعویٰ تھا کہ میں جو بھی کہتا ہوں وہ خدا کا کلام ہے اس پر مجھے یقین بھی تھا۔دنیا کا سب سے عظیم مذہب بدھ مت ہے اس عقیدہ کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک میں اس کی تبلیغ کرتا رہا جس کے نتیجے میں سینکڑوں ممالک میں میرے شاگرد اور مددگار پیدا ہو گئے۔

امریکہ کے شہر میں میرے آشرم چلتے تھے جہاں لوگ روحانی سکون پانے کے لیے آتے تھے۔ میں جب خدا بن کر زندگی گزار رہا تھا اس دور میں ایک مسلمان بھائی اور بدھ مت میں میرے ایک شاگرد ڈاکٹر چیپن کے ذریعے مجھے اسلام کا تعارف حاصل ہوا اور مجھے اسلام کے بارے میں کچھ کتابیں دی گئیں مگر میں نے بے توجہی سے ان کا مطالعہ کیا،لیکن بعد میں قرآن کریم اور محمد ﷺ کی سیرت کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا تو اس وقت میرے دل کی گہرائیوں میں اپنے گناہوں کا احساس پیدا ہوا۔مختصر یہ کہ پہلے میں خدا

تھا پھر قرآن وسیرت کی برکت سے آج خدا نہیں بلکہ خدا کا ایک بندہ ہوں۔

میرے ماضی کا حال یہ ہے کہ میں ایک کٹر بدھسٹ گھرانے میں پیدا ہوا۔مختلف بدھ مندروں میں مجھے تعلیم دی گئی، مجھے ایک بدھ بھکشو بنانے کی میرے والد کی بڑی خواہش تھی۔اس کے متعلق سارے فنون مجھ کو سکھائے گئے تھے۔میں نے بودھی درخت کے نیچے بیٹھ کر علم حاصل کیا۔رنگون،تبت،چین،کوریا، کمبوڈیا،جاپان ان تمام ممالک کے بدھ گروؤں سے میں نے تعلیم حاصل کی اور 19 سال کی عمر تک تعلیم مکمل کر لی۔اور رفتہ رفتہ ساری دنیا کے بدھسٹوں میں دیوتاوں کی زبان اور پیشین گوئیاں جاننے والا اور ان سے بات چیت کرنے والا مہا گرو آنند جی کے نام سے مشہور ہو گیا۔پھر جھاڑ پھونک میں کامیابی کی وجہ سے میری خاصی شہرت ہوگئی۔

مختلف قائدین اور حکمران اپنے سروں پر میرا پیر رکھوا کر آشیر باد لینے کو بہت بڑا نیک فال سمجھتے۔ سنگاپور کے پہلے راجا کے سر پر پیر رکھ کر میں نے ہی اس کو آشیر باد دیا تھا۔اسی طرح تھائی لینڈ کے راجا برماپوجوچیپسوین کو بھی اس کے سر پر پیر رکھ کر میں نے آشیر باد دیا تھا۔اسی طرح سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی اور جاپان کے نائب سلطنت ان دونوں کے سروں پر پیر رکھ کر میں نے ہی آشیر باد دیا تھا۔ **جمعہ اور منگل کو سونے کا تخت کھڑا کر کے ایک مٹکے پانی سے جو میرے پیر دھونا چاہتا اس عمل کی قیمت ایک لاکھ روپیہ ہوتی جس کو پانچ آدمی پیتے، کیونکہ میں خدا کا اوتار تھا۔** لاعلاج بیماریوں میں لوگ میرا پیشاب پیتے تھے کیونکہ میں ان کا خدا تھا۔اسی طرح سالہا سال زندگی گزرتی رہی اور ایک دو واقعات ایسے ہوئے کہ مجھے اسلام نے آگھیرا اور میرے مولا کا مجھ پر کرم ہوا کہ یہ دولت مجھے نصیب ہوگئی۔اگر میں یہ کہوں کہ غیب سے ہی ایسے حالات رونما ہوتے گئے کہ اسلام کو صحیح طریقہ سے سمجھنے کی سہولیات فراہم ہوتی گئیں تو بے جا نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے قرآن کریم کو پڑھنے کا ایک شوق اور جذبہ میرے اندر پیدا ہوا پھر قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا۔آخر کار اسلامی فکر میرے دل میں رفتہ رفتہ بڑھتی رہی پھر ان افکار نے میرے دل میں ہلچل مچانا شروع کر دی اور دماغ کو جھنجھوڑ رہے تھے کہ اسلام کو سمجھنا اور اس کو قبول کر لینا چاہیے۔میرے دل میں خیال آیا کہ قرآن کریم کا ایک اور مرتبہ مطالعہ کر کے دیکھنا چاہیے اور میں یکسوئی کے ساتھ قرآن کریم کے مطالعہ میں غرق ہوتا گیا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ آشرم کے میرے روزنہ کے

معمولات میں دلچسپی ختم ہوتی گئی اور صبح وشام اگربتی اور موم بتی جلا کر پانی میں پھول ڈال کر بدھم شرنم گچھامی کا ذکر کرنا بند کر دیا۔

قرآن کریم کا دومرتبہ مطالعہ کرنے کے بعد میرا ذہن کھل گیا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ میں گذشتہ 35سال سے گمراہی اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا جب کہ ساری چیزیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی عیش وآرام کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ میں عیش وآرام کی زندگی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔لیکن میرے ذہن میں اب ہروقت ایک کشمکش جاری رہنے لگی۔ایک طرف مادی دنیا کی ہرنعمت مجھے حاصل تھی،عزت، دولت،شہرت غرض کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی نیز ایسی زندگی تھی کہ مشہور فلمسٹارز، کرکٹرز، سیاستدان میرے ساتھ ایک دفعہ ملنے کوترستے تھے اور میری دعائیں لینے کے لیے لاکھوں روپے دیا کرتے تھے، دوسری طرف اگر میں اسلام قبول کرتا ہوں تو پھر یہ سب کچھ ہاتھ سے جائے گا لیکن اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیش کی جہنم میں بھی جلتا رہوں گا۔ **الغرض یہ دنیا میرے لیے کسی جنت سے کم نہ تھی لیکن اگر اس کو نہیں چھوڑتا تو پھر آخرت والی جنت ہاتھ سے جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے مجھے اسلام کی دولت اپنانے کی توفیق دی** اور انڈیا کے شہر چنائی کی ایک مسجد میں جا کر میں نے اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام شیخ محب اللہ رکھا، یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔قبول اسلام کے بعد بہت سی تنظیموں نے دھمکیاں دیں،تشدد کا نشانہ بنایا، مجھ پر گرم ابلتا ہوا پانی پھینکا گیا۔اسی دوران سعودی حکومت کو پتہ چل گیا کہ بدھوں کے ایک بڑے سوامی نے اسلام قبول کیا ہے اور تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے تو انہوں نے مجھے حج کے لیے بلالیا اور تشدد کی وجہ سے میرے جسم پر جو زخم آئے تھے ان کی سرجری بھی حکومتی خرچہ پر کروائی گئی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد مجھ سے، دولت،شہرت غرضیکہ سب کچھ چھن گیا اور سخت حالات بھی آئے لیکن یہ سوچ کر دل کو سکون ملا کہ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اتنا کچھ برداشت کر سکتے ہیں تو میں یہ سب کچھ کیوں نہیں برداشت کرسکتا۔ انسانی تاریخ میں ناقابل فراموش اور غیر معمولی شخصیت اگر کوئی ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ **آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ پڑھنے کے لیے دسیوں کتب کا میں نے مطالعہ کیا تب میری زندگی میں انقلاب برپا ہوا۔** انسانی تاریخ کی ایک عظیم شخصیت نے کیسے اپنی زندگی بسر کی، دوسروں کے

ساتھ کیسا سلوک کیا، اس کا دلائل کے ساتھ میں نے مطالعہ کیا۔آپ ﷺ کی زندگی کا گہرائی سے اگر کوئی مطالعہ کر لے تو آپ ﷺ کی ساری خصوصیات سمجھ آ جائیں گی۔

قبول اسلام کے بعد شیخ محب اللہ نے صرف تبلیغ دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اپنی بقیہ زندگی اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لیے وقف کروں گا اور اسی راہ پر آخری سانس تک چلتا رہوں گا۔مسلمانوں کے نام اپنے ایک پیغام میں انہوں نے کہا کہ مسلمانو اس حدیث کا مصداق بن جاؤ تم میں حاضر غائب تک اس پیغام کو پہنچائے، اگر آپ لوگ اس وصیت پر عمل پیرا ہو گئے تو اسلام ساری دنیا میں کامیاب ہو جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا نمونہ بن جاؤ اور دنیا کے سامنے عمل سے یہ ثابت کر دو کہ اسلام ہی نجات کا واحد راستہ ہے۔

(نسیم ہدایت کے جھونکے-مولانا کلیم صدیقی صاحب، ایڈیشن 2016، تلخیص صفحہ 644 تا 659)

سامعین یہ تھی شیخ محب اللہ (سابقہ سوامی آنندہ) کی قبول اسلام کی داستان۔ بدھ مت مذہب کے ماننے والے اس وقت دنیا میں تقریباً 53 کروڑ لوگ ہیں اور ان لوگوں کی آنکھوں کا تارا جو شخص تھا وہ قرآن کریم اور سیرت مصطفی ﷺ کو پڑھ کر اتنی بڑی قربانی دے گیا کہ مسجد میں قبول اسلام کے لیے وہ ایک رکشہ میں بیٹھ کر پہنچا۔اللہ اکبر کبیرا کہاں امریکہ میں 67 منزلہ آشرم جو اس کے نام پر چلتا تھا اور کہاں رکشہ میں بیٹھ کر عام سادہ لباس میں اسلام قبول کرنا۔ہم پیدائشی مسلمانوں کے لیے بہت لمحہ فکریہ ہے کہ ہم سب کہاں کھڑے ہیں؟

کامیاب کون؟

دنیا میں اس وقت بسنے والے تقریبا 7 ارب لوگ سارے کے سارے کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور دن رات اسی کے لیے کوشاں رہتے ہیں لیکن ہر ایک شخص کا کامیابی کا خود ساختہ معیار ہے۔ کوئی ڈاکٹر بننے میں کامیابی سمجھتا ہے، کوئی بزنس کو کامیابی سمجھتا ہے، کوئی وزارت کو اور کوئی فوج میں جانے کو کامیابی سمجھتا ہے۔ لیکن کامیابی کے بارے میں ایک چیز کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ کامیابی وہ ہے جو ابدی ہو یعنی جس کے بعد کبھی بھی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

قرآن کریم کو اٹھا کر دیکھ لیں جگہ جگہ کامیاب ہونے والوں اور ناکام ہونے والوں کا ذکر کیا گیا ہے نیز ایک مضمون مستقل چلتا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی طور پر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے والے کیوں اور کیسے ناکام ہوئے۔ مثلاً قوم عاد طاقت میں، قوم شعیب تجارت میں، قوم سبا کھیتیوں اور باغات میں، قوم ثمود ہنر مندی میں، فرعون اور نمرود بادشاہت میں، ہامان وزارت میں، قارون خزانوں میں اور ابرہہ کثیر فوج ہونے کے باوجود ناکام ہوئے۔

قوم عاد کو اللہ رب العزت نے ایسی طاقت دی تھی جو نہ ان سے پہلے کسی کو دی اور نہ ہی بعد والوں کو دی گئی۔ قوم عاد کا قد اتنا اونچا ہوتا تھا کہ آج کا انسان اگر دیکھ لے تو ڈر کر بے ہوش ہو جائے۔ قوم شعیب نے تجارت میں بے پناہ ترقی کر لی تھی۔ دنیا کا سب سے پہلا ڈیم قوم سبا نے بنایا تھا اور زراعت میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اللہ پاک نے اسی ڈیم کے پانی میں ان کو غرق کر دیا۔

نمرود اور فرعون کو بادشاہت ملی لیکن نہ ان کی دنیا بن سکی اور نہ ہی آخرت۔ فرعون نے جو اہرام بنائے ان کو 3800 سال تک دنیا کی سب سے اونچی بلڈنگ ہونے کا اعزاز حاصل رہا جبکہ آج کل بھی اگر کوئی ملک سب سے اونچی بلڈنگ بنائے تو دنیا کے دیگر تمام ممالک پر اپنی برتری جتاتا ہے جبکہ اسی فرعون کا دنیا میں یہ انجام ہوا کہ غرق ہوا اور آخرت میں کبھی بھی جہنم کی آگ سے نکل نہیں پائے گا۔ قارون کے سونے چاندی کے خزانوں کی صرف چابیاں تقریبا 80 خچروں پر لادی جاتی تھیں تو اس کی دولت کا اندازہ کیا ہوگا، وہ بھی دنیا سے ناکام گیا اور آخرت میں تو ہمیشہ ہی ناکام رہے گا، ابرہہ کے پاس فوج تھی اور اس وقت کی جدید ترین فوج ہاتھیوں والی فوج ہوا کرتی تھی۔ اسی جدید فوج کے غرور میں وہ خانہ کعبہ کو ڈھانے نکلا لیکن خود

بھی نا کام ہوا اور اس کی فوج میں شامل سب لوگ بھی عبرت کا نشان بن گئے۔

پھر کامیاب کون ہے؟

قرآن پاک نے ان تمام دنیاوی ترقی کی انتہا پر پہنچنے والوں کو نا کام کہا ہے تو پھر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ یہ سب لوگ مثلاً قوم عاد، قوم شعیب، فرعون، نمرود، ہامان، قارون یہ بادشاہ بن کر، وزیر بن کر اور بزنس ٹائیکون بن کر بھی نا کام ہیں تو کیا اسلام میں رہ کر ترقی نہیں کی جاسکتی؟ یا کیا اربوں روپے والا بزنس مسلمان کا نہیں ہوسکتا؟ یا اگر یہ تمام عہدے اور چیزیں مسلمانوں کو حاصل ہوجائیں تو کیا وہ بھی نا کام ہو جائیں گے۔ تو اس کا سمپل سا جواب یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انسانوں میں افضل ترین انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور صحابہ میں بھی خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ افضل ترین ہیں۔ انسانی تاریخ میں ان چاروں خلفاء راشدین سے بہتر حکمران نہیں آیا ہوگا اور انہی عشرہ مبشرہ میں دو صحابہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اتنے بڑے بزنس مین تھے کہ حلال طریقے سے بنا کسی ایک کا بھی حق مارے ان جیسی دولت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ آج کل کے دور میں دنیا کے امیر ترین لوگوں میں جیف بزاس، سیموئیل والٹن اور دیگر کا بہت نام ہے لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس جتنی دولت تھی اتنی ان لوگوں نے سوچی بھی نہیں ہوگی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بزنس ماڈل کو ہی اگر پڑھ لیا جائے تو آج بھی مسلمان تجارت کے شعبے میں انہی بلندیوں کو چھو سکتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مدینہ ہجرت کے بعد حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات کی تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف کے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا، خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ انہوں نے قینقاع کا جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انہوں نے کچھ گھی، پنیر خریدا شام تک خرید وفروخت کی، چند روز میں اتنا سرمایا ہو گیا کہ شادی کر لی، رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے، ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا۔ اگر ان سات سو اونٹوں کی قیمت صرف آج کے دور کے حساب سے لگائی جائے تو مال لیجانے والے اونٹوں کی مالیت کئی کروڑ روپے بنتی ہے۔ ایک روایت کے

مطابق وفات کے وقت اپنے پیچھے ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے چھوڑے جبکہ آپ کے چھوڑے ہوئے سونے کو کلہاڑوں سے کاٹتے کاٹتے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے دنیا کے ہر شعبے کے لیے مکمل راہنمائی ملتی ہے اور اس پر چل کر ہر شعبے والا حقیقی کامیابی حاصل کر سکتا ہے چاہے وہ ٹاٹ پر سوتا ہو یا محل میں۔

اصل کامیابی:

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کامیابی اصل میں ہے کیا؟ اس کو دل میں اتارنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس دور میں معاشرے میں کامیابی کے معیار زیادہ تر وہی بن چکے ہیں جو کفار کے ہاں کامیابی کے معیار سمجھے جاتے ہیں۔ اور کفار کے کامیابی والے معیار مسلم معاشروں میں کیوں قبول کر لیے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے جو کامیابی کے معیار مقرر کیے تھے ہم ان کا تذکرہ ہی چھوڑ چکے ہیں۔ دوسرا ہر انسان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ جب وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہو جائے تو پھر اس کو یہ مقام ہمیشہ حاصل رہے اور کبھی بھی اس کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے جبکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو بہت واضح طور پر یہ سمجھاتا ہے کہ دنیا میں اللہ پاک کبھی دے کر آزمائیں گے اور کبھی لے کر (مال و جان کے نقصان سے) بھی آزمائیں گے، لہذا جس حال میں بھی تم ہو وہ تمھاری آزمائش ہی ہے۔ اسلام کیسا اعلی وارفع دین ہے کہ کامیابی اور ناکامی کے بارے میں کیا نظریات رکھنے چاہیں وہ پہلے ہی بتا چکا ہے۔ اسی بات کو چند مثالوں سے اور واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج کے دور میں ایک بڑھئی کو کوئی کامیاب نہیں کہے گا لیکن ایک انٹرنیشنل فرنیچر کے کاروبار کرنے والے کو بہت کامیاب سمجھا جائے گا چاہے اس نے سارا کاروبار بنک کے سود سے بنایا ہو۔ ایک تاجر جو کم نفع پر مال بیچتا ہے اس کو بیوقوف سمجھا جائے گا اور وہی مال دوسرا تاجر زیادہ پرافٹ پر بیچ لے تو اس کو ہوشیار سمجھا جائے گا۔ لیکن قرآن کریم کے دل سورۃ یٰس میں اللہ پاک نے ایک عام سے بڑھئی کا ذکر کیا ہے جو کہ شہر سے باہر رہتا تھا اور شہر میں اللہ پاک نے دو پیغمبر بھیجے تھے لیکن شہر والوں نے ان پیغمبروں کو بری طرح جھٹلا دیا تھا۔ پھر اللہ پاک نے تیسرے پیغمبر ان کی تائید کے لئے بھیجے تو شہر والوں نے ان تینوں کو جھٹلا

دیا اوران پیغمبروں کو مار دینے کی دھمکیاں دیں۔تو یہ شخص حبیب نجّار جو کہ ایک عام سا بڑھئی تھا اس کو جب پتہ چلا کہ شہر کے لوگ اللہ کے نبیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو وہ اکیلا ہی بھاگتا ہوا آیا اور جو کچھ اسکے بس میں تھا حق کی حمایت اور دفاع میں کہا۔اس پاک مومن کے جواب میں قوم نے کیا ردِعمل پیش کیا، انہوں نے ان کو شہید کر دیا۔دنیا میں لاکھوں بڑھئی آئے اور مر کر چلے گئے لیکن کوئی کسی کا نام تک نہیں جانتا جب کہ اللہ پاک نے اپنے کلام میں اس شخص کا ذکر کر کے بتا دیا کہ جو بھی رسولوں کے دین کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوگا اس کو ہی اصل کامیابی ملے گی۔اسی طرح جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک گھوڑا خرید کر لاؤ وہ تین سو درہم میں گھوڑا خرید کر لایا ساتھ قیمت دلانے کے لیے گھوڑے کے مالک کو بھی لیتا آیا حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو مقرر شدہ تین سو درہم رقم بتلائی اور گھوڑا بھی پیش کر دیا گیا حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اندازہ کیا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زیادہ ہے آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے اس نے جواب دیا ابو عبداللہ جیسے آپ کا جی چاہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے زیادہ ہے کیا آپ پانچ سو درہم میں فروخت کریں گے اس نے کہا میں تیار ہوں الغرض حضرت جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ آٹھ سو درہم میں گھوڑا خریدا اور رقم مالک کے حوالے کر دی۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا تو آپ نے اسے آٹھ سو درہم دے کر اپنا نقصان کیوں کیا آپ نے اسے فرمایا بات یہ ہے کہ گھوڑے کے مالک کو اس کی صحیح قیمت کا اندازہ نہ تھا میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی کیوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی تھی کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ (شرح صحیح مسلم-علامہ نوویؒ،جلد2،صفحہ40)

یہ ہے اصل کامیابی کہ آپ ﷺ کے حکم پر عمل ہو جائے اس کے لیے جو کچھ لگتا ہے لگ جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ سے ہمیں دو بہت اہم نکات ذہن میں بٹھانے چاہیے ایک تو یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے تب بچایا جب وہ بشریت کی کمزور ترین حالت

میں تھے یعنی جب وہ شیر خوار تھے اور اللہ رب العزت نے فرعون کو تب ڈبو یا جب وہ پوری دنیا پر حکمرانی کرتا تھا اور اس کی فوج لاکھوں میں تھی، لیکن اللہ پاک نے اسے اس وقت غرق کیا جب وہ دنیا کا طاقتور انسان بن چکا تھا۔ تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر انسان اللہ پاک کا سہارا لے تو وہ کمزور ترین ہو کر بھی کامیاب ہو جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ساری دنیا کا مالک بھی بن جائے تو وہ ناکام ترین انسان ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے اور موقع بموقع اس کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اللہ پاک جو بدلہ عطا فرماتے ہیں وہ انسانی عقل میں سما بھی نہیں سکتا۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے دنیا کے ظالم ترین بادشاہ کی بیوی ہونے کے باوجود غلط راستے کو نہیں اپنایا اور نہ ہی تکبر اور ظلم کا کبھی ساتھ دیا بلکہ وقت آنے پر ان سب چیزوں کو اللہ پاک اور اس کے دین کے لیے ٹھوکر مار دی اور اپنا ایمان بچانے کی خاطر رب کے حضور جان تک قربان کر دی۔ پھر اللہ پاک نے بھی کائنات کے سب سے بڑے انعام سے ان کو نوازا یعنی ان کو جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی بنایا جائے گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اب قیامت تک کے لیے کامیابی صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے ہی مل سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بھی دو افراد کا تقابل پیش کروں گا کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ماننے والے کیا سے کیا بن گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرنے والے سب کچھ ہو کر بھی زیرو ہو کر رہ گئے۔ ایک تو ہیں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور دوسرا ابو جہل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی بھی تھا۔ اگر ہم اس تقابل پر ذرا غور کریں تو حیران و پریشان ہوں جائیں گے کہ کس طرح کائنات کی سب سے بڑی سعادت ابو جہل کو ملی تھی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا لیکن حق کو چھوڑ بیٹھا اور ابو جہل بن گیا، جبکہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ حبشہ کے غلام، نہ تعلیم پاس ہے نہ ہی کوئی ہنر رکھتے ہیں، نہ معاشرے میں کوئی مقام، نہ کوئی مرتبہ وحیثیت، نہ خاندانی حسب نسب، اتنے بے نام ہونے کے باوجود جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تو اتنا اونچا مقام

پالیا کہ چلتے زمین پر تھے لیکن ان کے قدموں کی چاپ جنت میں سنائی دیتی تھی۔

دوسری طرف ابوجہل کو یہ نام ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا جبکہ اپنے معاشرے میں اسے ابوالحکم کہا جاتا تھا جس کا مطلب ہے عقل کا باپ یعنی ابوجہل کی ذہانت اتنی تھی کہ مکہ کے لوگ اسے سب سے بڑا دانشور سمجھتے تھے۔اور آج بھی یہ ہمارے معاشرے میں عام چلن بن گیا ہے کہ جو ٹی وی چینل پر بیٹھ کر دین اسلام پر سب سے زیادہ اعتراضات کرتا ہے اسے اتنا ہی بڑا دانشور سمجھا جاتا ہے، جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ جس کو سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذرا بھی نہیں پتہ وہ دانشور تو کیا معمولی عقل والا بندہ بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال یہ ہماری چوائس ہے کہ ہم کس کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں اور یہ بات آخرت میں ہی کھلے گی کہ کس نے عقلمندی سے زندگی گزاری اور حقیقت میں دانشور کون تھا؟

انبیاء سابقہ علیہم السلام پر ایمان:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام انسانیت کی فلاح کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ان میں سے چند ایک کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔لیکن ایک مسلمان پر لازم ہے کہ تمام نبیوں پر ایمان رکھے کہ وہ حق پر تھے اور ان کی شریعت برحق تھی ،مگر اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے تب ہی نجات ہوگی۔

سب نبیوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ مانیں کہ تمام نبی اللہ پاک کی طرف سے اس منصب کے لیے چنے گئے تھے اور ان کی شریعت ان کے زمانے کے لیے بالکل صحیح اور واجب العمل تھی ، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد اب وہ تمام شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں، اور ان پر جو کتابیں اتری تھیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں اور اپنے زمانے میں بالکل صحیح تھیں لیکن اب قرآن کریم پر ہی عمل کرنا ہو گا کیونکہ قرآن پاک کے اترنے کے بعد وہ کتابیں اب قابل عمل نہیں رہیں اور ان کتابوں میں انسانوں نے بہت زیادہ ردوبدل کردیا ہے۔

سیرت مبارکہ کا اجمالی خاکہ:

ہمارے اس سیشن کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان اس کو پڑھنے کے بعد زندگی کی آخری سانس تک سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا مضبوط تعلق قائم کرلے۔اس مضبوط تعلق کو قائم کرنے کے لیے اس کو چاہیے

کہ وہ روز سیرت کے بارے میں کچھ نہ کچھ پڑھتے رہنے کی عادت اپنائے اور پھر سیرت کے ان تمام پہلوؤں کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی از حد کوشش کرے۔ یہ سیرت کا موضوع تو سمندر کی طرح وسیع ہے اور ظاہری بات ہے کہ اس چھوٹے سے کتابچے میں اس پر کیا لکھا جا سکتا ہے۔لیکن سیرت کے چند پہلو ایسے ہیں کہ جن کو ہر مسلمان کو ابتدائی طور پر یاد کر لینا چاہیے۔انہی پہلوؤں پر چند سطریں لکھ کر ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہر ٹیچر اس کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھتے ہوئے اپنے طلباء میں سیرت کے پڑھنے، پڑھانے، اپنانے، پھیلانے اور تحفظ کرنے کا انتہائی ذوق پیدا کر دے اور یہ ذوق پیدا کرنا آسان ہے کہ ٹیچرز خود ایسے ذوق والے بن جائیں کہ ہر دم سیرت کی روشنی پھیلاتے رہیں۔

سیرت کے پہلو

آج کا ترقی یافتہ انسان زندگی کے ہر پہلو میں اندھیرے میں ڈوب چکا ہے اور اس کو کسی ایسی سیرت کی اشد ضرورت ہے جو اس کو ہر پہلو میں روشنی مہیا کر سکے اور حقیقت یہ ہے کہ صرف آپ ﷺ کی سیرت ہی اس معیار پر سو فیصد پوری اترتی ہے۔سیرت رسول ﷺ دراصل انسانیت کے تمام مسائل کے حل کا ایک پورا نصاب ہے لیکن اگر سیرت کے تین پہلوؤں کو سٹوڈنٹس کے ذہنوں میں اچھی طرح بٹھا دیا جائے تو ان شاء اللہ یہ نہ صرف ان کے دل میں سیرت کی عظمت کو اجاگر کرے گا بلکہ یہ سیرت کے ساتھ مضبوط تعلق پیدا کرنے کی فکر بھی پیدا کرے گا۔اب ہم سیرت کے چند پہلوؤں یعنی کاملیت، جامعیت اور دائمی و عالمگیریت کا مختصر سا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

سیرت النبی ﷺ کا کامل ہونا:

دنیا میں آنے کے بعد اور دنیا سے جانے تک انسان مختلف مراحل سے گزرتا ہے، جسمانی طور پر وہ بچپن، جوانی بڑھاپا جیسے ادوار سے گزرتا ہے نیز اس دوران اس کی ضروریات کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہیں۔انسان معاشرے میں مختلف کردار ادا کرتا ہے جیسے اولاد ہونے کا، والدین بننے کا، بھائی بہن کے رشتوں کا، دوستی و ہمسائیگی کا اور زندگی کی گاڑی رواں دواں رکھنے کے لیے مختلف پیشے بھی اپناتا ہے۔زندگی کے سفر میں اس کو خوشی، غم، غصہ، سکون، پریشانی، فتح و شکست کا مزہ بھی چکھنا پڑتا ہے۔اور ان تمام مراحل کو

کما حقہ عبور کرنے کے لیے انسان کو راہنمائی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ کسی بھی انسان کی سیرت کو کامل تبھی کہا جا سکتا ہے جب اس کی زندگی کا ہر گوشہ اور حصہ ہماری نظروں کے سامنے ہو۔ ایسی رول ماڈل شخصیت کی پوری زندگی کا کوئی بھی لمحہ نہ تو پردے کے پیچھے ہو اور نہ ہی کوئی واقعہ گزرتے وقت کے ساتھ کھو گیا ہو۔ بلکہ کامل سیرت صرف اسی کو کہا جائے گا جس کی زندگی کے تمام حالات روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے موجود ہوں تاکہ معلوم ہو سکے اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے آئیڈیل ثابت ہو سکتی ہے؟

آپ ﷺ کی سیرت کامل کیوں نہ ہو کیونکہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ ایک ہی ہستی کی ہر ہر ادا اور لمحہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے پانچ لاکھ لوگوں نے اپنی زندگیاں کھپائی ہوں۔ آپ ﷺ کے ایک ایک قول، فعل، عمل حتی کہ آپ کی حرکات وسکنات کو بھی اللہ پاک نے ریکارڈ کروایا۔ اب یہ امت کا فرض بنتا ہے کہ وہ سوچے کہ اس کامل سیرت کے تمام پہلو کیا مسلمانوں اور کفار کے سامنے ہیں؟ یہاں میں دعوت فکر دینا چاہوں گا کہ ہم میں سے ہر ایک سوچے کہ اس نے معاشرے میں سیرت مصطفیٰ ﷺ کے کتنے پہلو اب تک اجاگر کیے ہیں؟ اور اگر نہیں کیے تو ہماری آئندہ نسلوں کا ایمان خطرے میں ہے۔ آج کے اس پرفتن دور میں سیرت کے ان پہلوؤں کو پھیلانا اور زیادہ ضروری ہے کیونکہ ایسی ہی کامل اور نمایاں زندگی انسانوں کے لیے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔

کاملیت:

آپ ﷺ کی سیرت کے کامل ہونے کو ہم صرف تین رخوں سے یہاں سمجھنے کی کوشش کریں گے اور عہد کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی سیرت کے تمام پہلوؤں کے پڑھنے کو اولین ترجیح دیں گے ان شاء اللہ۔

آپ ﷺ بحیثیت معلم:

اسلام میں علم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ پہلی وحی بھی اسلام کی اقرء (پڑھیے) یعنی علم کے بارے میں ہے۔ اسی سورۃ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ ذرائع تعلیم یعنی قلم وغیرہ کی بھی اللہ تعالی نے تعریف بیان فرمائی ہے۔ قرآن کریم میں ہی ایک جگہ اللہ تعالی نے قلم کی قسم کھا کر پوری ایک سورت کا نام قلم رکھا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں نہ صرف تعلیم بلکہ ذرائع تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اس لیے معلم کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں کے مالکان کو بھی اس فریضے کو ادا کرنے کی بھرپور

کوشش کرنی چاہیے۔

عام طور پر ایک معلم ایک ہی سبجیکٹ کا معلم ہوتا ہے اور اسی میں وہ اپنے طلباء کی تیاری کرواسکتا ہے لیکن آپ ﷺ ایسے کامیاب معلم تھے کہ کوئی ایک شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیم سے راہنمائی نہ ملتی ہو۔تہذیب وتمدن سے عاری انسانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا صبر آزما کام تھا لیکن آخر وہ کیا وجہ تھی کہ صرف 23 سال کے انتہائی مختصر عرصے میں یہی لوگ پوری دنیا کے لیے رول ماڈل بن گئے ۔آپ ﷺ کے بحیثیت معلم ہونے کے پہلو سے ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ہر ٹیچر کی اصل ذمہ داری تعمیر معاشرہ ہے جیسے کہ آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ میں گرنے سے بچا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے نکلے جاتے ہو۔ٹیچر کا اصل منصب اپنے پورے کیریئر میں ہر آنے والے سٹوڈنٹ کو آگ اور جہنم سے بچانے کی محنت کرنا ہے۔

آپ ﷺ نے تعلیم کے جو اصول اور طریقے استعمال کیے ہیں وہ آج بھی عین حق ہیں جن کے بغیر سیکھنے سکھانے کا عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔آپ ﷺ بحیثیت معلم جن نکات پر عمل پیرا رہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

مقصد کی لگن:

آپ ﷺ کے طریقہ تدریس سے ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ ایک ٹیچر کا بلند مقصد ہمیشہ اس کے سامنے رہنا چاہیے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس کو ٹائم لائن اور چھوٹے چھوٹے اہداف میں تقسیم کر کے مستقل مزاجی اور جان توڑ محنت سے اس پر چلتے رہنا چاہیے۔ چاہے حالات کچھ بھی ہوں اسے اپنے مقصد سے نہ ہٹا سکیں ۔دور نبوت کا ایک ایک پل اس کا گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مقصد پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی لچک دکھائی۔ایک ٹیچر کا بھی اصل مقصد وہی ہے جو آپ ﷺ کا تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا اور یہ مقصد تب حاصل ہوگا جب معاشرے کے اندر سیرت کی تمام خصوصیات کو اپنا لیا جائے گا۔

قول وفعل میں ہم آہنگی:

آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ میں تضاد کہیں نہیں پایا جاتا۔چونکہ معلم شاگردوں کے لیے

رول ماڈل ہوتا ہے اس لیے اس کے قول وفعل کو دیکھ کر یہ بھی اسی راہ پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ آپ ﷺ کے قول وفعل میں ہم آہنگی کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی آپ ﷺ کے کردار کی گواہی دیتے تھے اور آپ ﷺ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے۔

دردمندی:

آج ہمارے ٹیچرز کو جس خصوصیت کو اپنانے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہی دردمندی ہے۔ ہر ٹیچر اگر یہ درد اپنے اندر پیدا کر لے کہ میں اپنے پاس آنے والے ہر سٹوڈنٹ کو اپنے سبجیکٹ کے ساتھ ساتھ آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں بھی کامیابی حاصل کرنے میں مدد کروں گا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ موجودہ دور کے فتنے ان بچوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈال سکیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بخاری شریف میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اس کے گھر گئے اس کو بستر مرگ پر پایا تو پاس بیٹھ گئے اور کلمہ کی تلقین کی۔ اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس کے باپ نے کہا اے بیٹے ابوالقاسم کی بات مان لے اور وہ لڑکا ایمان لے آیا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ایسی دردمندی ہمارے تمام مسلمان ٹیچرز کو بھی عطا کر دے۔

کمیونیکیشنل سکلز:

آپ ﷺ کی گفتگو شروع سے آخر تک نہایت صاف ہوتی، آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کسی مجلس میں تشریف لاتے ہی تعلیم کا آغاز نہیں کرتے بلکہ جو گفتگو چل رہی ہوتی اس میں شامل ہو جاتے، اصول آمادگی کو مد نظر رکھتے۔ مثالیں، تشبیہات کا استعمال بھی آپ ﷺ کے طریقہ تدریس میں بکثرت نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے دوران تدریس ذہنی مشق کا طریقہ استعمال کروایا۔ سبق کو دلچسپ بنانے کے لیے قصے بھی سنایا کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ پاک نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اے رسول پہنچا دیجیے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تمام لوگوں تک اس طرح پہنچایا کہ وہ نہ صرف لوگوں کے لیے قابل قبول ہوا بلکہ وہ اپنے آباواجداد کے رسم ورواج اور طور طریقوں کو چھوڑ کر ایک نئے اور انقلابی نظریئے کے قائل ہو گئے۔ یہ عظیم کامیابی آپ ﷺ کے موثر ابلاغ کا ہی نتیجہ ہے۔

مربیانہ انداز:

آپ ﷺ مختلف مزاج کے افراد کی تربیت میں نفسیات کا خیال رکھتے۔ سوال پوچھنے والے کے ظرف کے مطابق جواب دیتے۔ نرم مزاجی، خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خادم کہتے ہیں کہ ساری زندگی میں کسی بھی بات پر جھاڑ نہیں پلائی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کے پڑوسی، غلام حتیٰ کہ دشمن بھی آپ ﷺ سے راہنمائی لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے نرمی سے سخت مزاج مشرکین کو بھی زیر کیا۔ آپ ﷺ کی زندگی مبارک میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ دیہاتیوں نے آکر بدتہذیبی سے بھی سوال پوچھا تو آپ ﷺ نے انتہائی پیار کے ساتھ ان کو بات سمجھائی۔

معیشت:

آج ہم اگر قومی و بین الاقوامی سطح پر معاشی زندگی کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ جدید معاشی نظام کس قدر ظالمانہ اور انسانیت کے لیے ناسور بن چکا ہے۔ جبکہ اسلام کا اقتصادی اور معاشی نظام اتنا ہمہ گیر اور مکمل ہے کہ دنیا میں اس کو نافذ کرنے کے بعد دنیا میں موجود تمام انسان خوشحال ہو جائیں گے۔ اسلام میں ادنیٰ سے ادنیٰ پیشے سے لے کر بڑے سے بڑے پیشے کے لیے بھی اتنے زیادہ رہنما ارشادات موجود ہیں کہ یہاں ان تمام کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ میں یہاں صرف چند ارشاداتِ نبوی پیش کر دیتا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ اسلامی نظام معیشت اپنے اندر کتنی وسعت رکھتا ہے۔

اسلام کے نظام معیشت کی خوبصورتی کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی معیشت کا پہلا سبق رزق حلال ہے۔

اسلام کسی بھی طریقے سے روزی کمانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے پاک طریقوں سے حاصل کردہ رزق کو حلال جانتا ہے اور اس سے ہٹ کر کمائی کے تمام ناجائز اور ظالمانہ طریقوں کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً کسی کا مال ہتھیانا، یا لوٹ مار کر کے کمانا یا سود کے ذریعے کمائی گئی دولت کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ حدیث شریف میں اس کو کیا درجہ دیا گیا ہے درج ذیل احادیث سے واضح ہے۔

”رزق حلال تلاش کرنا ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے۔“

(السنن الکبریٰ بیہقی، 6:211، رقم:11695)

''سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

(ترمذی، السنن، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجارۃ، 3:515، رقم: 1209)

اسلامی معیشت کی عظمت کا اندازہ صرف اس ایک حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

''مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دو۔''

(سنن ابن ماجہ)

کیا اس ایک حدیث پر عمل کرنے کے بعد کسی مزدور کا حق مارا جاسکتا ہے جبکہ دوسری طرف آج کے اس جدید دور میں بھی مزدور کے حقوق کے تحفظ کے لیے دنیا کے تقریباً ہر ملک کے ہر شہر میں اور حتیٰ کہ شعبوں میں مزدور یونینز قائم ہو چکی ہیں لیکن مزدور طبقہ ابھی بھی پس رہا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا:

''تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔''

(فضائل الصحابہ- امام احمد بن حنبل، جلد 1 صفحہ 313، رقم: 431)

تو یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اگر اپنے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں تو رزق کی تنگی کی شکایت ہی نہیں رہے گی۔

اگر حکومتیں آپ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرلیں کہ

جو شخص مردہ (بنجر) زمین کو زندہ کرے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

(ابوداود، السنن، کتاب الخراج والامارۃ والفیئ، باب فی خذ الجزیۃ، 3:178، رقم: 3073)

تو یقین جانیے کہ دنیا بھر میں اناج کی بہتات اتنی ہوجائے گی کہ انسان تصور نہیں کرسکتا۔ صرف اپنے ملک پاکستان کا ہی سروے کرلیجیے کاشتکاری جتنی زمین پر کی جارہی وہ غیر کاشت زدہ زمین کا شاید 10 فیصد بھی نہ بنے لیکن چند جاگیرداروں کے پاس لاکھوں ایکڑ زمین ہے جو ویران پڑی ہے۔ آج ہمارے ملک کے جو ناقابل حل مسائل سمجھے جاتے ہیں اور ان سب کو حل کرنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے جاتے، لیکن صرف ایک حدیث پاک پر عمل کرنے سے وہ ایسے حل ہوسکتے ہیں کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں آمدن کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے یعنی جس انسان کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہے تو وہ اپنی ضروریات کے مطابق خرچ نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی دولت کے مطابق خرچ

کرتا ہے اور دنیا بھر میں ضرورت سے زیادہ چیزیں خریدنا مالدار لوگوں کی عادت ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجیب نقطہ بیان فرمایا کہ

''خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت ہے۔''

(شعب الایمان-بیہقیؒ،503:8،رقم:6148)

خرچ میں یہ اعتدال کا حکم صرف انفرادی نہیں بلکہ حکومتی لیول پر بھی ہے یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور کو اپنے تو کیا دشمن بھی تاریخ انسانی کا بہترین دور مانتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے لیے معیار تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور ان کا طرز عمل تو یہ تھا کہ جب فتوحات کے دور میں ان کے ہاتھ قیصر و کسریٰ کے خزانے لگے تو بھی حد اعتدال سے باہر نہیں نکلے بلکہ انہوں نے یہ دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں غریبوں اور مسکینوں پر ہی لٹائی۔ آج سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ کہاں سے لائیں گے کہ کسی کا ہمسایہ بھوکا نہ سوئے۔ یہ نظریہ تو کامل سیرت مبارک میں ہی ملے گا۔

گھریلو زندگی:

گھر ہر معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اکیلے انسان کو اس دنیا میں نہیں بھیجا بلکہ جنت سے میاں بیوی کا ایک جوڑا زمین پر اتارا جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا اہم ترین پہلو ازدواجی زندگی ہے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے دوسرے پہلو ہمارے لیے آئیڈیل ہیں اسی طرح خاندانی معاملات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا طریقہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ کی گھریلو زندگی کے حسن کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لاتے تو اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے:

1) ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے۔

2) ایک حصہ اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے۔

3) ایک حصہ اپنی راحت اور آرام کے لیے (اپنے اس حصے کو بھی اکثر لوگوں کے کاموں میں لگا دیتے تھے۔)

(شمائل ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر آ کر اپنے گھر والوں کی خدمت یعنی گھریلو زندگی میں حصہ لیتے تھے اور مخدوم یا ممتاز بن کر نہ رہتے بلکہ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے مثلاً بکری کا دودھ دوہ لینا، گھر کی صفائی کر دینا، آٹا گندھوا دینا، اپنی جوتی گانٹھ لینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر والوں کے لئے اس کا بڑا اہتمام فرماتے کہ کسی کو کسی قسم کی ناگواری نہ ہو۔ بہت نرمی برتتے اور اچھی طرح ہنستے بولتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہو۔ اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں۔''

(جامع ترمذی)

بعض اوقات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ادھر ادھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر سنتے رہتے اور خود بھی کبھی اپنے گزشتہ واقعات سناتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو انتہائی سادہ زندگی گزارنے کی تلقین کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے بعض ناز ونعمت میں پلی تھیں، معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی دنیا پرستی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام خاندان کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی عمدہ مثال ہی تھی۔ اس ترقی یافتہ دنیا کے بڑے بڑے مسائل میں سرفہرست گھریلو زندگی کے مسائل ہیں۔ بگڑتی ہوئی ازدواجی زندگی نے پوری دنیا کو جہنم بنا دیا ہے اور تمام ممالک میں طلاق کا مسئلہ ایک ناسور بن کر پھیلتا جا رہا ہے۔ میں قربان جاوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر کہ ایک حدیث پر عمل کرنے سے بڑے سے بڑے مسائل حل ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری سیرت اس قول کی سو فیصد گواہ بھی ہے۔ انٹرنیٹ پر کئی ایسی کارگزاریاں موجود ہیں کہ یورپ میں بسنے والے کسی غریب مسلمان خاندان کے ہمسائے نے اسلام قبول کر لیا اور بتایا کہ اس مسلمان خاندان کی پرسکون ازدواجی زندگی قبول اسلام کی وجہ بن گئی۔ مسلم معاشرہ خود کفار کی نقالی میں سیرت کے اس روشن پہلو کو بھلا بیٹھا ہے اس لیے اب ان کی خاندانی زندگی بھی جہنم کا نمونہ بنتی جا رہی ہے۔

ہمارے لیے کیا مشکل ہے بس سیرت کے گھریلو زندگی والے پہلو کا مکمل مطالعہ کر کے اس کو اپنی زندگیوں میں ڈھال لیں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جامع ہونا:

جامعیت سے مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف مراحل، طبقات اور شعبوں کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس جامعیت کے معیار پر بھی سوائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے کوئی دوسری شخصیت پوری نہیں اترتی۔ وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی مزاج، شعبہ یا قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں اس دنیا کا کارخانہ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں کے ذریعہ ہی چل رہا ہے۔ اس میں حکمران، بیوروکریٹس، ٹیکنوکریٹس بھی ہیں، اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی، امن وامان کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوج کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، تاجر اور سوداگر بھی، ان تمام طبقوں اور پروفیشنز کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو ان تمام انسانوں کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی دعوت دے سکتا ہے۔ ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی اور ایک محکوم کے لیے حاکم کی زندگی، ایک دولت مند کے لئے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لئے دولت مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لئے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

انسان کے مختلف مزاجوں اور پیشوں کے علاوہ دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے، ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں روتے بھی، لیتے بھی ہیں دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں سکھاتے بھی، کھاتے بھی ہیں کھلاتے بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی غرض ایسے تمام امور زندگی کے لیے عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی راہنمائی کا درس دے۔

ان افعال کے علاوہ وہ افعال بھی ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے یعنی کبھی ہم راضی ہوتے

ہیں کبھی ناراض، کبھی خوش کبھی غمزدہ، کبھی نعمتوں سے مالا مال اور کبھی مصائب کا شکار، کبھی کامیاب کبھی ناکام، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان سب کے لئے بھی ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی بے قابو قوتوں کی لگام ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی جامعیت کے جلوے کبھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وفاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صورت ظاہر ہوئے تو کبھی ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور مرتضی رضی اللہ عنہ ہو کر۔ کبھی خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تو کبھی سعد وجعفر طیار رضی اللہ عنہما ہو کر۔ قصہ مختصر یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے اور یقینا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر راہنما نہیں ہوسکتا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی اور عالمگیر ہونا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت دنیا میں اللہ تعالیٰ کا وہ پہلا اور آخری پیغام ہے جو کالے وگورے، عرب وعجم، ترک وتاتاری، ہندی وچینی سب کے لیے عام ہے۔ جس طرح اس عالم کا خدا تمام دنیا کا خدا ہے اسی طرح اس کا رسول بھی تمام دنیا کا رسول ہے۔ اسلام سے پہلے اور آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان رنگ ونسل، مال ودولت، حسب نسب، شکل وصورت کی اتنی اونچی دیواریں کھڑی کردی ہیں کہ انسانیت کا دم گھٹ رہا ہے۔ امریکہ میں اکثر اوقات کسی کالے کو ناحق قتل کرنے پر ملک گیر فسادات پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہ بات ہم میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام آسمانی مذاہب میں صرف ہمارے پیارے دینِ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دائمی، آخری، کامل اور عالمگیر دین ہے دیگر آسمانی مذاہب جیسے یہودی، عیسائی وغیرہ اپنے مذاہب کے عالمگیر ہونے کا دعوی کر بھی نہیں سکتے کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اور صحیفوں نے کبھی غیر بنی اسرائیل تک پیغام نہیں پہنچایا اور اب تک یہودی شریعت صرف یہودیوں تک محدود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھا۔ امریکہ اور یورپ انسانی محبت، مساوات اور آزادی کے دعوی دار تو ہیں لیکن سفید آدمی تہذیب وتمدن کا ٹھیکدار رہے۔ کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں۔ امریکہ کا یہ حال ہے کہ کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ۔ خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ ایک خدا کے آگے جھک نہیں سکتے۔ امریکی گوروں نے ریڈ انڈینز کا جو قتل عام کیا وہ ان کے انسانی مساوات کے نعرے کا پول کھول دیتا

ہے۔حتیٰ کہ ہندوستان کے وید بھی غیر آریوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ ان کے علاوہ تو دنیا شودر ہے۔ ہندوؤں نے ابتداء سے آج تک اپنے سوا سب کو ملیچھ اور ناپاک قرار دیا اور خود اپنے آپ کو بھی چار ذاتوں میں تقسیم کر کے شودروں کو مذہب اور جینے کے حق تک سے محروم کر دیا۔

دنیا بھر کے تمام مسلمان مانتے ہیں کہ اللہ رب العزت وقتاً فوقتاً انسانیت کی اصلاح اور کامیابی کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجتے رہے، مگر یہ تمام انبیاء علیہم السلام کسی خاص قوم، زمانہ اور علاقے کے لیے آیا کرتے تھے۔لہذا ان کے پیغامات اور تعلیمات کی دائمی حفاظت کا سامان اللہ پاک نے نہیں کیا۔ان سب کی بنیاد ختم ہوگئی۔ان تعلیمات کو صدیوں بعد لکھا گیا، اسی لیے ان میں انسانوں نے اپنی طرف سے بہت کچھ بدل دیا اور ان تعلیمات کا کیا سے کیا بنا دیا۔مگر جو پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے وہ عالمگیر اور دائمی ہے۔ یہ پیغام جب سے آیا ہے، تب سے اب تک پوری طرح محفوظ ہے اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام نہیں آنے والا۔اللہ پاک نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے بھیجے گئے کسی پچھلے پیغام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔

دنیا میں واحد دینِ اسلام ہی ہے جس کی گود میں دنیا کے تمام 7 ارب سے زائد لوگ سما سکتے ہیں اور ان کو کھلے دل سے قبول کیا جا سکتا ہے۔

اس بات کو چند مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہودی صرف وہی بن سکتا ہے جو یہودیوں کے گھر پیدا ہوا ہو نیز یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے سچے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو نہیں مانتے بلکہ ان کی سخت توہینات کرتے ہیں۔اسی طرح عیسائی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ دنیا کے تمام انسان ان کے مذہب میں سما سکتے ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی نہیں مانتے نہ احترام کرتے ہیں۔لیکن ایک اسلام واحد مذہب ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان اور ان کا ادب نہ کرنے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ دنیا بھر کے تمام یہودی اور عیسائی جب اسلام میں داخل ہوں گے تو وہ یہ دیکھ کر سخت حیران ہوں گے کہ زندگی بھر انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کا اتنا احترام نہیں کیا جتنا ایک عام مسلمان ان انبیاء علیہم السلام کی عزت وتکریم کرتا ہے۔لہذا عقلی طور پر بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اسلام ہی واحد عالمگیر دین ہے جو دنیا بھر کے

لوگوں کو اپنے اندر سمو سکتا ہے اور ان شاء اللہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ایسا ہو کر ہی رہے گا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی ہونا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو جو بھی نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا یہی وجہ ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک اسلام کے بڑے بڑے دشمن جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے واقفیت حاصل کرتے ہیں تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی تعلیم دیتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی زندگی اس کے مطابق سو فیصد ہوتی تھی۔ دلچسپ سے دلچسپ نظریہ، خوش کن فلسفہ، بہترین اقوال ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت پیش نہیں کر سکتا وہ عملی نمونہ ہے اور جب زندگی کے ہر لمحے میں راہنمائی کے لیے عمل والی سیرت پیش کرنے کی بات ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی ہستی اس معیار یا کسوٹی پر پورا نہیں اترے گی۔ انسانی زندگی کے کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اور معصوم خیالات و نظریات نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر خالی باتوں کو ہی معیار بنا لیا جائے تو پھر دنیا سے اچھے برے کی تمیز ہی ختم ہو جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی کا ایک اور اہم ترین پہلو یہ ہے کہ زندگی کے کسی ایک شعبے میں محنت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی کے دوسرے شعبوں سے قطعاً غافل نہ کر سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولاد جیسا برتاؤ تاریخ کے سینے میں سنہرے حروف کی صورت میں محفوظ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نمازوں کا حکم دیا مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا کیا حال تھا کہ رات بھر کھڑے رہتے، کھڑے کھڑے پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قناعت کی تعلیم دی اور اس وقت آپ کے پاس عرب کے گوشے گوشے سے خزانے لدے چلے آتے تھے مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فاقہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت سیر ہو کر آپ نے کبھی کھانا تناول نہ فرمایا۔ رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگزر کرنے کی تعلیمات دی ہیں۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں لیکن فتح مکہ کا دن تو دیکھو کہ ان سب کو معاف کر دیا۔ یہ ہے دشمنوں

کو پیار کرنا اور معاف کرنا۔

عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساوات، اخوت اور انسانی جنس کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مجھے یہ نہیں کہا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا یا فلاں کام کیوں کیا؟ واقعات کی انتہا نہیں ہے، مثالوں کی کمی نہیں ہے مگر وقت محدود ہے لہذا اسی پر اس موضوع کا اختتام کرتے ہیں کہ تاریخ انسانی پر جب بھی نظر ڈالو گے ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ سوائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے کہیں نظر نہیں آئے گا۔

مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیمات کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بات کی دعوت دی خود اپنے عمل سے اس کو قابل عمل ثابت کیا۔ صلح و جنگ، فقر و دولت مندی، بندے اور رب کا تعلق، انسانوں کے آپس کے تعلقات، معاشرتی زندگی، ذاتی زندگی غرض یہ کہ ہر پہلو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی مثال پیش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا اور ان کے بعد بھی کروڑوں انسانوں نے اس پر عمل کر کے اس کے عملی ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہر اس انسان کے لیے مکمل انسانی نمونہ اور اسوہ ہے جو خود شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اور اپنے خاندان اور ماحول میں پاکیزہ رہنا چاہتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

”حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے“

(سورۃ الاحزاب، آیت:21)

پیغام محمدی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ہم مسلمانوں کو دو طرح کے پیغامات ملتے ہیں ایک انفرادی، دوسرا اجتماعی۔ انفرادی طور پر تو یہ کہ اپنی ذات پر مستقل محنت کر کے ان خصوصیات کو اپنے اندر لانا دوسرا اجتماعی محنت کا حصہ بن کر ساری زندگی اسلام کو نافذ کرنے اور اس کی اشاعت وحفاظت کی ذمہ داری اٹھانا۔ اس

پیغام کو پہنچانے کے لیے ہم سب کو وہی طریقہ اپنانا ہوگا جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کہ اپنا جان، مال، وقت لگا کر اس پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ انہوں نے اس کام کو اولین ترجیح دی لہٰذا ان کے دنیاوی کام کبھی اس پیغام کو پھیلانے میں رکاوٹ نہیں بن سکے اور نہ ہی انہوں نے دنیاوی نقصان کی پرواہ کی۔ ہمیں یہ دعا بھی مستقل شامل دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک اس پیغام محمدی کو آپ دنیا کے کونے کونے میں پھیلا کر رہیں گے، مجھ جیسے عاجز کو بھی اس عظیم کام کے لیے قبول فرما لیجیے۔

جدوجہد/مسلسل کوشش:

آج کے مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ اس کی کم ہمتی اور آرام طلبی ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک عام شخص بھی اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام کا پیغام ہر کلمہ گو کے ذمہ ہے کہ باقی انسانیت تک پہنچائے تو اس لحاظ سے سیرت کی پیروی تو امت نے بالکل چھوڑ دی۔ بس اسی دنیا کی چندروزہ زندگی میں کھپ کر مسلمان بھی اس دنیا پر ساری محنت لگانے کا عادی ہو گیا ہے۔

طریقوں کی درستگی:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بہت سی باتیں نسل انسانی کی راہ نمائی کے لیے فرمائی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ”سنو جاہلیت کے تمام کام میرے قدموں کے نیچے ہیں (یعنی اب ان کو زندہ کرنا اور ان کو رواج دینا جائز نہیں بلکہ میں نے ان کو اپنے قدموں سے روند دیا ہے اور ختم کر دیا ہے)“ (صحیح مسلم)

ہمیں آج انفرادی اور اجتماعی طور پر اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ جن جاہلی اقدار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاؤں تلے روند کر علم اور روشنی پر مبنی سوسائٹی قائم کی تھی وہ جاہلی اقدار کہیں پھر تو ہم میں اور ہمارے معاشرے میں واپس نہیں آ گئیں؟

اور جب ہم اپنے مسلم معاشروں سے ان برائیوں اور جاہلیت کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی میں نکال دیں گے تو پھر اقوام عالم کا ہماری طرف رجوع خود بخود ہو جائے گا۔

عمل نہ کہ ترک عمل:

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی، وہ دین اور دنیا کا فرق ہے۔ دین کا کام الگ کیا گیا اور دنیا کا کام الگ۔ یہ وہ غلطی تھی جو رفتہ رفتہ پوری دنیا میں پھیلتی چلی گئی لیکن سب سے پہلے اس غلطی کا پردہ پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاک کیا۔ اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیت کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو اللہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین داری ہے۔ لوگوں کی اکثریت عبادات اور چند بتلائی گئی رسومات کو ادا کرنے کو دین سمجھتی ہے جس کے لیے دن کے 24 گھنٹوں میں کچھ وقت اور سال کے مخصوص دنوں میں کچھ دن وہ امور سرانجام دے لیں تو دین پر عمل ہو گیا۔

اسلام بدھ مت کی طرح یہ نہیں کہتا کہ سب کچھ چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھو اور خواہشات کو ترک کر دو بلکہ اسلام تصحیح خواہشات کا درس دیتا ہے۔ اسلام عیسائیت کی طرح یہ نہیں کہتا کہ دولت اور قوت کو حاصل نہ کرو بلکہ ان کے حصول کے طریقوں کی درستگی اور ان کے صحیح استعمال کی راہ دکھاتا ہے۔

نہ ہندو مت کے جوگیوں کی اسلام میں گنجائش ہے نہ ہی عیسائیت کی سسٹرز کی طرح زندگی گزارنے کا درس ہے بلکہ اس کی نفی ہے اور معاشرے میں رہتے ہوئے تمام اعمال کرنے کے لیے ایک پورا نظام مہیا کرتا ہے۔ اگر تمام دنیا کے بسنے والے دیگر مذاہب کے پیروکار اپنے مذہب کے پیشوا کی تعلیمات پر آج کے دور میں چلیں تو آدھی سے زیادہ آبادی کو معاشروں اور شہروں کو چھوڑ کر جنگل بیابانوں میں الگ تھلگ رہنا ہو گا۔

ہماری ذمہ داری:

اس وقت امت ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔ اس کی عزت ذلت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ تمام عالم کفر ایک ہو کر اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں دن رات ایک کیے ہوئے ہے۔ دجال اکبر کی آمد کے لیے سٹیج سجایا جا رہا ہے۔ مسائل کی ایک دلدل ہے اور اس سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ امت پوری کی پوری سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دل و جان سے اپنا لے۔ چونکہ امت کا بڑا طبقہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نابلد ہے اس لیے ہر ایک مسلمان کو اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانا ہو گا لیکن زیادہ تر بوجھ ٹیچرز اور والدین پر آن پڑتا ہے کہ وہ موجودہ نسل کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کروائیں اور خود اس پر عمل کر کے بھی

دکھائیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ کسی نا کسی سے محبت ضرور کرے گا۔آج کا مسلمان بچہ اور نوجوان سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیوں اتنا دور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ بچپن سے ہی اس پر کفار کے طور طریقوں اور چیزوں کی یلغار شروع ہو جاتی ہے تو لامحالہ وہ انہی چیزوں سے محبت کرے گا لیکن اگر ہم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اپنی ذمہ داری کا احساس کر کے خود سیرت کے خلاف کچھ نہ کریں تو ہمارے بچے بھی سیرت پر عمل پیرا ہوتے دیکھ کر صرف سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو ہی دل میں جگہ دے پائیں گے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ:

ایک مسلمان ہونے کے ناطے یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ صرف حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی ہمارے لیے کامل نمونہ ہے۔ ہمارا یہ دعوی صرف عقیدت اور محبت کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے اور تاریخ کی گواہی بھی یہی ہے کہ ہر انسان کی کامیابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد خصوصیات ہیں جن کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ تاریخی واقعات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ روح و عقل کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مطالعہ جہاں علمائے کرام، دین کی تبلیغ کرنے والوں کے لیے بے حد ضروری ہے وہیں عام مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے تا کہ وہ جان لیں کہ مشکلات و مسائل اور دکھوں اور پریشانیوں کا واحد علاج اسلام ہی ہے۔

دائیں بائیں جھانکنے کی ضرورت نہیں۔ہم جو کچھ دین کے نام پر نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے لیے بہترین کسوٹی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہے۔اس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو چیز سیرت سے موافقت کرے وہ قبول ہے اور جو موافقت نہ کرے وہ مردود ہے۔اس ضمن میں امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی کتاب کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔جو بہت ہی جامع ہے فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمِيزَانُ الْأَكْبَرُ، فَعَلَيْهِ

تُعْرَضُ الْأَشْيَاءُ، عَلَى خُلُقِهِ وَسِيرَتِهِ وَهَدْيِهِ، فَمَا وَافَقَهَا فَهُوَ الْحَقُّ، وَمَا خَالَفَهَا فَهُوَ الْبَاطِلُ

(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادی علیہ الرحمۃ، ج1، ص79)

''بے شک رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی سب سے بڑا معیار ہیں، اسی پر تمام اعمال کو پرکھا جائے گا۔ آپ ﷺ کے اخلاق پر، آپ ﷺ کی سیرت پر اور آپ ﷺ کے طرز عمل پر، تو جو عمل رسول اللہ ﷺ کی سیرت و اعمال کے مطابق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔''

اس صورت میں اس معیار سے صرف وہی شخص آگاہ ہوگا جو سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا ہوگا۔ جس نے کبھی اس سے آگاہی کی کوشش نہیں کی وہ کس طرح اچھے برے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کر پائے گا۔ ہم لوگ اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ فرقہ واریت پھیل رہی ہے جو کہ ہماری سیرت النبی ﷺ سے عدم دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ جو فرقہ واریت کی شکل میں بھگت رہے ہیں۔ سیرت طیبہ سے باخبر آدمی کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

بدقسمتی سے ہم اپنی ضروری اور غیر ضروری خواہشات کی تکمیل کے لیے لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ سوچ نہیں آتی کہ سیرت النبی ﷺ پر کتابیں خرید کر گھر میں لائیں۔ خود پڑھیں اور بچوں کو بھی اس کا عادی بنائیں۔

سیرت کا مطالعہ ہمیں اسلام کی عظمت اور اسکی عالمگیریت سے آگاہ کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صرف 23 سال کے مختصر عرصہ میں انقلابی اقدام اٹھائے۔ جزیرہ عرب سے دعوت اسلام کی شعاعیں دنیا بھر میں پھیل گئیں اور دعوت دین نے عالمی سطح پر آپ ﷺ کی سیرت کو منوالیا۔ سیرت کا مطالعہ کم از کم ایک داعی اسلام اور مبلغ کو یہ سبق ضرور دیتا ہے کہ اگر پرخلوص کوشش کی جائے تو اسلام کی خصوصیات بہت جلد لوگوں کو متاثر کر دیتی ہیں اور کم وقت میں زیادہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔

گویا انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات محض آگاہی کے لیے نہیں بلکہ یہ باتیں زندگی میں اختیار کرنے کے لیے ہیں۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے انیس انبیاء کرام کے ذکر کے بعد نبی رحمت ﷺ کو فرمایا:

''تم بھی انہی کے راستے پر چلو'' (سورۃ الانعام:90)

اسکی روشنی میں ہمیں یہ درس اور سبق ملتا ہے کہ ہم سیرت کا مطالعہ عمل کے لیے کریں اس لیے کہ سیرت سے ہی ہمیں صحیح رہنمائی ملتی ہے۔

اگرچہ ہم ظاہری آنکھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے محروم ہیں۔لیکن سیرت طیبہ کے مطالعہ سے ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گویا موجود ہوتے ہیں۔اور دل کی آنکھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہے ہیں۔اب جو شخص بھی یہ چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ مند ہوتو اسے چاہیے کہ وہ پوری کوشش محبت اور لگن سے سیرت کا مطالعہ کرے۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ سے مسلمان کے حوصلے وعزائم بڑھتے ہیں جن کی مدد سے وہ اچھائی کا حکم دینے پر قادر ہوجاتا ہے اور برائی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

سیرت کی برکت سے مسلمان کے اندر حکمت وبصیرت آجاتی ہے جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں نقصانات سے محفوظ رہتا ہے۔

عمل کرنا:

مسلمان اور ساری دنیا جانتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس تاریک اور انسانیت سوز ماحول میں بعثت ہوئی اور پھر صرف 23 سال کے انتہائی مختصر عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عظیم انقلاب برپا کیا کہ نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ انسانیت کی زندگی روشن ہوگئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات واحد کی ایک ایک ہدایت پر جب سوا لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سو فیصد عمل کر کے دکھایا تو چند سالوں میں آدھی سے زائد دنیا کی کایا پلٹ دی۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا امت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سو فیصد عمل کر کے قیامت تک آنے والے مسلمان کے لیے اس کو زندہ اور محفوظ بنا دیا۔

لیکن پھر آہستہ آہستہ جب امت میں بگاڑ بڑھنے لگا تو آج ہم سب کا یہ حال ہے کہ اصل منزل کو جاننے کے باوجود ہم اس پر چلنے سے عاجز وقاصر ہیں۔سب سے زیادہ ضرورت آج ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی ہے،ہمیں اپنی عبادتوں کا جائزہ لینا ہوگا کہ کیا ہماری نمازیں، روزے، حج اور دیگر عبادتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کے مطابق ہیں؟ اسی طرح معاملات کو دیکھیں کہ اس میں ہم کس حد تک پیغمبرانہ طریقے پر چل

رہے یا کافروں کے بنائے ہوئے اصول اوران کے بے برکت طریقے اپنائے ہوئے ہیں؟ غرض معاشرت ہو یا معیشت زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو، ہمیں سو فیصد سیرت پر عمل کرنے سے ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ملے گی۔

مسلمانوں کے سیرت پر عمل نہ کرنے سے دو عظیم نقصانات ہو رہے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ امت شدید کسمپرسی اور مسائل کی دلدل میں پھنستی جا رہی ہے دوسرا اس سے بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ کافروں تک سیرت کا پیغام نہیں پہنچ پا رہا۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو کہ جہاں آج مسلمان رہائش پذیر نہیں ہیں لیکن وہ خود سیرت کو بھلائے بیٹھے ہیں لیکن اگر یہ سیرت پر عمل کرنے والے بن جائیں تو یہی سب سے بڑی دعوت ہو گی کفار کے لیے اور کافر جب سیرت کی عملی شکل اپنے اردگرد دیکھ لیں گے تو وہ اس کو اپنائے بنا رہ نہیں پائیں گے۔

دوسروں تک پہنچانا:

موجودہ دور میں جب کہ سیرت رسول ﷺ سے لاعلمی بڑھتی جا رہی ہے، اور مسلمان سیرت کو چھوڑ کر غیروں کے طور طریقے اپنا رہے ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو سیرت رسول ﷺ سے متعارف کروانے کے لیے مستقل محنت شروع کی جائے۔ عصری تعلیمی ادارے اس مقصد کے لیے ہر اول دستہ کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

بدقسمتی سے مسلمانوں نے سیرت رسول ﷺ سے صرف اتنا تعلق رکھا ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں پروگرامز، سیمینارز اور کانفرنسز کا انعقاد کر لیا جاتا ہے جبکہ ہمارے قول و فعل میں ہم آہنگی ہی دنیا پر واضح کرے گی کہ اسلام اور مسلمان ہیں کیا؟ ہماری زندگیوں میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے روشن پہلو جس قدر نظر آئیں گے اسی قدر لوگ اسلام کے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر ہم صرف اپنی معیشت اور گھروں کو سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں تعمیر کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے تمام کفار اس سے متاثر نہ ہوں۔ لہذا سیرت رسول ﷺ کو دوسروں تک ابلاغ کے ذریعے بھی پہنچانا ہو گا لیکن دعوت اسی کی اثر پذیر ہو گی جس کا ایک ایک لمحہ خود سیرت رسول ﷺ کے تابع ہو گا۔

اس جدید ترقی یافتہ دور نے بندوں کے درمیان حسب و نسب، مال و دولت، رنگ و روپ کی دیواریں کھڑی کر دی ہیں اور جس قدر جلد تیزی سے یہ دنیا اس وقت سیرت رسول ﷺ کو اپنانے کو تیار ہو

جائے گی اس کا ہم مسلمانوں کو بھی اندازہ نہیں۔ایسے حالات میں سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام دوسروں تک ہم نہ پہنچا پائے تو روز محشر اللہ رب العزت کو کیا جواب دیں گے؟ جو ذات اقدس کائنات کے ذرے ذرے کے لیے باعث رحمت ہو اس کی مبارک سیرت اگر دنیا کے کروڑوں لوگوں تک نہ پہنچ سکی تو اس عظیم نقصان کا بوجھ حشر میں کون اٹھا سکے گا۔اس لیے اپنے اصل کام کو پہچانیے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ہر گوشہ اتنا عام کردیں کہ پاکستان بھر میں اور دنیا بھر میں جب بھی کوئی مسلمان یا کافر کسی بات کی مثال دینے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ہی کوئی بات پیش کرے۔بس اللہ پاک سے روز یہ دعا بھی مانگنی چاہیے کہ اے اللہ اپنے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے سے پہلے موت نہ دینا۔

دفاع کرنا:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کمال ہنر مندی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا کو نہ صرف نوٹ کیا۔ بلکہ آئندہ نسلوں تک پوری دیانت داری اور سچائی کے ساتھ بیان کر دیا۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ صحیح ترین ذریعہ سے ہم تک منتقل ہوگئی۔اب یہ عظیم ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے دفاع میں اپنا حصہ ضرور ڈالے۔آج کے دور میں عالم کفر نے جس طرح سیرت رسول پر حملوں کی پلاننگ کررکھی ہے، یورپ میں گستاخی کے پے درپے واقعات کی جو ہوائیں چل رہی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک طوفان بدتمیزی برپا کرنا چاہ رہے ہیں۔ایسے خوفناک ماحول میں تو ہم مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر روشن سیرت کو ساری دنیا پر ظاہر کریں، خصوصیت کے ساتھ غیر مسلمین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو عام کریں۔موجودہ تقاضوں کا حل سیرت کی روشنی میں پیش کرنا ہوگا تاکہ باطل کا منہ توڑ جواب دے سکیں اور سادہ لوح عوام پر حقیقت کو آشکار کرسکیں کہ وہ باطل کے مکروفریب میں پھنس کر اپنے ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔

اس سیشن کے اختتام پر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم سب کا جو تعلق سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہونا چاہیے تھا وہ قائم نہیں ہوسکا۔اس غلطی پر ہم سب توبہ کریں اور زندگی کی آخری سانسوں تک سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی پھیلانے میں اپنا پورا پورا کردار ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

Tayasar Ali

Ambassador of Seerah
Famous Blogger & Analyst
A Philanthropist
Head of Shubban Educational Forum

Tayasar Ali heads the Shubban Educational forum. He has been an active member of S.E.F since 2012.

Tayasar Ali holds an MBA degree from American International University (AIU) and 11 years of Professional Experience both in Marketing and Procurement.

He has worked with well-known companies and institutions such as **BERGER** and **LUMS**. He has a vast experience of delivering lectures on Seerah Topics across the country. Being an Ambassador of Seerah, he has delivered lectures at almost **1100** Educational Institutions in Pakistan and in hospitals, judicial institutions, corporate industry, Press Clubs and Financial Chambers as well.

Islamabad Chamber of Commerce & Industry

International Islamic University Islamabad

FAST University

Institute of Business Administration, Karachi

University Of Karachi

RIPHAH INTERNATIONAL UNIVERSITY

Hajvery University

University of Loralai

Sardar Bahadur Khan Women's University

University of Sargodha

Centre of Excellence in Molecular Biology

Mirpur University Of Science And Technology

The University of Lahore

Ayub Medical College Abbottabad

Government College Quetta

+92 336 6467779, +92 334 9363518

For Feedback: tayasar@yahoo.com